تدبر
لاہور

جاری کردہ:

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

ادارۂ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی اشاعت

امام حمید الدین فراہی علیہ الرحمۃ کی مندرجہ ذیل تالیف مطالعہ فرمایئے

حکمت قرآن

موضوعات:

امام فراہیؒ کا تصور حکمت
حکمت کی اصل اور اس کی فروع
حکمت اور قرآن حکیم
دین اسلام کا نظام
دین اسلام کی بنیادیں
حکمت کا مفہوم
حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول
حکیم کا طرز فکر و تعلیم
مذاہب پر غور کا طریقہ

ترجمہ = خالد مسعود   قیمت = -/84 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122- فیروز پور روڈ- اچھرہ' لاہور 54600
فون = 7595200

اسباق النحو

مصنف: خالد مسعود

- امام فراہیؒ کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم' فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔
مولانا امین احسن اصلاحی

قیمت: 36 روپے
شائع کردہ: ادارہ تدبر قرآن و حدیث   مسلم کالونی رحمان سٹریٹ سمن آباد لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:
خالد مسعود

تدبر لاہور

شمارہ نمبر 62
دسمبر 1998ء
رمضان المبارک 1419ھ

مجلس ادارت
عبداللہ غلام احمد
ماجد خاور
محبوب سبحانی
سعید احمد

قیمت: -/10 روپے
سالانہ: -/40 روپے
بیرون ملک: -/200 روپے

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

آئین میں پندرھویں ترمیم کا بل — خالد مسعود — 2

تدبر حدیث

بیع کے اصول و احکام — امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی — 5

کھانے پینے کے آداب — امین احسن اصلاحی / سعید احمد — 19

مقالات

نصاریٰ کے ساتھ جنگیں — خالد مسعود — 31

تفسیر تدبر قرآن کی امتیازی خصوصیات — خلیل الرحمٰن چشتی — 40

نظریہ ارتقا — محبوب سبحانی — 45

مکاتیب اصلاحیؒ — امین احسن اصلاحی — 52

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبع: المطبعۃ العربیۃ لاہور

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

آئین میں پندرھویں ترمیم کا بل

ہمارا ملک پچاس برس پہلے وجود میں آیا تو یہ ایک طویل قومی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ اس میں مسلمانوں کو جس چیز نے یک جہتی عطا کی وہ مسلم لیگ کا یہ نعرہ تھا کہ مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ' نیز یہ کہ پاکستان جس کے لئے مسلم لیگ جدوجہد کر رہی ہے' کلمہ لا الہ الا اللہ کی تجربہ گاہ ہوگا۔ ہر مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے نفاذ کی برکات سے بہرہ مند ہو' اس لیے ملک کے قیام کے فوراً بعد اسلامی نظام مملکت اور شریعت کے نفاذ کا مطالبہ شروع ہو گیا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمام اقتدار تھی' وہ جیسے اپنی منزل پا چکے تھے' انہوں نے اس مطالبہ کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے ایسا مطالبہ کرنے والوں پر سختی کرنا شروع کی' بلکہ ایسے عملی اقدامات کیے جن کے نتیجہ میں قوم کے ذہن ہی کو بگاڑ دیا جائے۔ نہ وہ ایسے مطالبات کرے اور نہ یہ باتیں اس کو اپیل کرنے والی ہوں۔ چنانچہ نظام تعلیم' جو پہلے ہی طلبہ کے ذہنوں میں دین کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنے والا تھا' مزید بے مقصد بنا دیا گیا۔ لارڈ میکالے کے تصرفات نے اسے انگریز حکومت کے لیے وفادار منشی بنانے کے لئے موزوں شکل دی تھی' اب اس پر جو قینچی چلائی گئی' تو اس کے بعد وہ لائق منشی پیدا کرنے کے قابل بھی نہ رہا۔ پھر ملکی ثقافت میں نقب لگائی گئی اور اسے مغربی تہذیب سے قریب تر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرہ میں ادائے حقوق' ایک دوسرے کے لحاظ و احترام' دیانت و امانت' عفت و پاکیزگی' فرض شناسی' وغیرہ کی روایات تیزی سے دم توڑنے لگیں اور اب میڈیا کی جدید ترقیوں نے ان روایات کی مکمل بیخ کنی کی راہ ہموار کر دی ہے۔ آج ملک کا ہر باشندہ حیرت سے دیکھتا ہے کہ چاروں طرف بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔ نظام مملکت عوام کی خدمت کے لحاظ سے بالکل ناکام ہے۔ ملک اخلاقی زوال کی ایسی دلدل میں پھنس چکا ہے کہ اس میں سے نکلنے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ اس زوال سے قوم کا ہر طبقہ' خواہ اس کا تعلق ملکی انتظام و انصرام سے ہو یا تجارت و صنعت سے' تعلیم کے میدان سے تعلق رکھتا ہو یا قانون و انصاف سے' اس کا دائرہ عمل دین ہو یا دنیا' سیاست ہو یا مذہب' یکساں طور پر متاثر ہوا ہے۔

جسم کو کوئی بیماری دیمک کی طرح چاٹ رہی ہو تو اس کے تدارک کی موثر تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اور علاج میں معمولی کوتاہی بھی برداشت نہیں کی جاتی' لیکن ہمارے ملک کے ارباب اختیار کے انداز نرالے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مریض کو دلاسا دینے کی راہ اپنائی ہے' اسے خوش فہمیوں میں مبتلا کیا ہے' طفل تسلیاں دی ہیں' لیکن پرہیز و علاج سے ہمیشہ گریز کیا ہے۔ ایک ایسے ملک میں' جہاں تقریباً ساری آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہو اور جسے اسلام ہی کے نفاذ کے لیے حاصل کیا گیا ہو' نہایت فطری طرز عمل یہ تھا کہ ارباب حکومت اس کے روز قیام ہی سے اخلاص کے ساتھ اس کو ایک اسلامی مملکت میں ڈھالنے کے اسباب فراہم کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ ہر حکمران نے زبانی جمع خرچ تو بہت کیا اور عوام کے سامنے اسلامی حکومت کی برکات گنوائیں' لیکن عملاً یا تو اسلام کے خلاف اقدامات کیے یا کچھ نیم دلانہ فیصلے کیے' جن کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ اس طرح ملک برابر اخلاقی زوال کی راہ پر چلتا رہا۔

حکمرانوں میں جنرل محمد ضیاء الحق ذاتی طور پر دیندار آدمی تھے۔ بظاہر انہوں نے بعض اسلامی احکام کو نافذ کرنے کی تدبیر کی' لیکن ان کی افادیت کا دائرہ بے حد محدود تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شریعت کا عمل دخل ہی محدود رکھا گیا' جبکہ اصل انحصار اسی نظام و قانون پر رہا جو ہمیں انگریز سے ورثہ میں ملا تھا۔ اسلامی اصطلاحات استعمال کی گئیں' لیکن ان کی روح نکال لی گئی' جس کے باعث فساد اپنی جگہ پر موجود رہا۔ مثال کے طور پر سود سے پاک بنکاری کا غلغلہ تو خوب برپا ہوا' لیکن عملاً انٹرسٹ کا نام مارک اپ رکھ دیا گیا اور اس کی شرح سابقہ شرح سے بھی کچھ زیادہ کر دی گئی۔ اسلامی حدود و تعزیرات کو بھی رائج قانون میں جگہ دی گئی' لیکن ان پر عمل درآمد کچھ ایسا مشکل بنا دیا گیا کہ ملک میں چوریوں' ڈاکوں' قتل و غارت گری کی بھرمار کے باوجود پچھلے اٹھارہ برسوں میں کوئی مجرم اپنے جرم کی شرعی سزا نہ پا سکا۔ تعلیمی میدان میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے مضامین ضرور لازمی قرار دیئے گئے' لیکن ان کا نصاب مصلحتوں کا شکار ہو کر اتنا مختصر مقرر کیا گیا کہ بچوں کو نہ اسلام سے کچھ واقفیت ہو اور نہ قیام پاکستان کے مقاصد ہی سے آشنا ہو سکیں۔ چنانچہ یہ تعلیم بچوں کو نہ اپنے ملی ورثہ یا اسلامی تاریخ سے آگاہ کرتی ہے اور نہ اسلامی و اخلاقی قدروں کی آبیاری کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں نفاذ شریعت کے حق میں تازہ ترین آواز ہمارے وزیراعظم جناب محمد نواز شریف نے بلند کی ہے۔ انہوں نے شریعت بل کے ذریعہ سے آئین میں پندرھویں ترمیم قومی اسمبلی سے منظور کروائی ہے' جو موثر اس وقت ہوگی جب سینیٹ بھی اسے منظور کرے۔ تاہم سینیٹ میں بات بنتی نظر نہیں آتی۔ وہاں ان لوگوں کی اکثریت ہے جو شریعت بل کے حق میں نہیں ہیں۔ بعض ارکان کی رائے میں حکومت نفاذ شریعت میں مخلص نہیں ہے' بلکہ اس قانون کے تحت صرف کلی اختیارات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ جن لوگوں کو دین سے پرخاش ہے وہ اسلامی شریعت ہی کو ہدف تضحیک بنائے ہوئے ہیں۔ اس پس منظر میں جناب وزیر اعظم ملک کے عوام کو شریعت کے نفاذ کا مژدہ سنائے چلے جا رہے ہیں تاکہ لوگ جذباتی طور پر ان کے ساتھ وابستہ رہیں' جبکہ ان کے رفقائے کار فلم انڈسٹری کے اداکاروں اور اداکاراؤں تک کو اس بات کی یقین دہانی کرتے نہیں تھکتے کہ شریعت بل سے ڈرنے کی

کوئی بات نہیں۔ یہ تمام کام اس کے بعد بھی ہوتے رہیں گے اور کچھ نہیں بدلے گا۔ خود حکومتی اقدامات میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہو کہ اب حکومت نے معاشرہ اور نظام دونوں کو بدلنے کا واقعی عزم کر لیا ہے۔

نفاذ اسلام کے طریق کار کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی ایک رائے کی یاد دہانی بے جا نہ ہوگی۔ ایک مرتبہ ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے ذہن میں ملک میں اسلام کو نافذ کرنے کے لیے کیا لائحہ عمل ہے' تو ان کا جواب تھا:

"میرے پاس ملک میں اسلام کو نافذ کرنے کا کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔ میں لیڈر نہیں ہوں۔ میں تو معلم کی حیثیت سے خدمت سر انجام دے رہا ہوں۔ اس لیے میں صرف ایک قطعی بات کہہ سکتا ہوں جو قرآن و حدیث کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ اسلامی نظام کا نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک معاشرہ تبدیل نہ ہو۔ معاشرہ کو تبدیل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہوتا ہے کہ جتنے عوامل معاشرہ پر اثر انداز ہونے والے ہیں ان کی اصلاح کی جائے۔ اگر وہ فساد پھیلاتے ہوں تو ایک زور دار ہاتھ ان کو پکڑ کر متعین طور پر بتائے کہ معاشرے کے بگاڑ میں آپ کے جرائم کی نوعیت یہ اور یہ ہے' اور آپ کو لازماً اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔ ایسے زوردار ہاتھ دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور مسلمانوں ہی میں نہیں کافروں میں بھی ہوئے ہیں۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ جو کچھ کہتے تھے' وہی کرتے بھی تھے۔ کہنے والے اگر کرنے والے بھی ہوں تو وہ ملک میں بڑی تبدیلی لا سکتے ہیں۔ ایسے زوردار ہاتھوں کے بغیر اسلامی نظام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد مولانا مرحوم نے معاشرہ کے اندر بگاڑ پیدا کرنے والی چند چیزوں کی نشان دہی بھی کی۔ انھوں نے خرابیوں کی جڑ تعلیمی نظام' معاشرہ میں خانقاہی علم کے رواج اور میڈیا (اخبارات و رسائل' ریڈیو' ٹی وی) کو قرار دیا اور فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے اعصاب تو واقعتاً ان کے آگے ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ وہ ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر آپ کے اندر اتنا دم خم نہیں کہ آپ ان کی اصلاح کر سکیں تو آپ دین کا کوئی ایک کام بھی جاری نہیں کر سکتے۔"

جہاں تک حکومتی رویوں کا تعلق ہے باتوں کی حد تک ارباب اقتدار ہر چیز کو--------- وہ اقتصادی بدحالی کا مسئلہ ہو یا امن و امان کا' احتساب کا معاملہ ہو یا تعلیمی پسماندگی کا--------- حکومت کی اولین ترجیح قرار دیتے ہیں۔ یہی حال نفاذ شریعت اور اصلاح معاشرہ کا بھی ہے۔ عملاً تمام مسائل جوں کے توں رہتے ہیں۔ حقیقی ترجیحات ان کی بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ آخر وزیر اعظم کے ایک اعلان پر برسوں سے رائج جمعہ کی چھٹی کا نظام تبدیل ہوا۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر کھانا پیش کرنے کی

بقیہ صفحہ 30 پر

تدبر حدیث

امین احسن اصلاحی

بیع کے اصول و احکام

(صحیح بخاری کی کتاب البیوع کی روایات)

وقول اللہ عز و جل و احل اللہ البیع و حرم الربو وقولہ الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم۔

بیوع جمع ہے بیع کی' جس کے معروف معنی بیچنے کے ہیں لیکن عام استعمال میں یہ خرید و فروخت دونوں کے لیے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شے کے دوسری شے سے مبادلہ کے نظام میں (مثلاً Barter system میں جو قدیم زمانے میں تجارت کا طریقہ تھا اور اب بھی بین الاقوامی تجارت میں خاصا استعمال ہوتا ہے) ہر شخص گویا بائع بھی ہوتا ہے اور مشتری بھی۔ اس لیے لفظ بیع میں خرید اور فروخت کے دونوں مفہوم شامل ہو گئے۔ قرآن میں بھی یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پس کتاب البیوع ان معاملات کے بارے میں ہے جو خرید اور فروخت سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام صاحب نے دو آیتیں نقل کی ہیں جن کا تعلق بیع سے ہے۔ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"اللہ نے بیع کو حلال ٹھہرایا اور ربا کو حرام۔" دوسری آیت کا مطلب ہے "بجز دست بدست لین دین کے جس کو تم اپنے درمیان گردش دیتے رہتے ہو۔" امام صاحب نے پہلی آیت کا حوالہ اگر اس مقصد سے دیا ہے کہ اس میں قرآن نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام کیا ہے تو میری تحقیق میں یہ آیت اس محل میں نہیں ہے۔ یعنی یہ قرآن کی طرف سے خبریہ جملہ نہیں ہے بلکہ کفار کے قول کا حوالہ ہے۔ اس آیت کا محل یہ ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ اگر ربا حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہیے لیکن حیرت ہے کہ اللہ نے بیع کو تو حلال ٹھہرایا اور ربا کو حرام۔ قرآن نے بتایا کہ یہ لوگ پاگلوں کی سی بات کرتے ہیں۔ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اسی طرح دوسری آیت اس موقع پر آئی ہے جہاں قرض کو لکھ لینے اور اس پر گواہ مقرر کر دینے کا حکم آیا ہے۔ فرمایا کہ جب لین دین دست بدست ہو' جیسا کہ نقد سودا سلف لیا جاتا ہے' تو اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں۔ گویا اس آیت کا موقع و محل بھی خاص ہے۔ اس کا تعلق بیع کے قاعدہ کلیہ سے نہیں ہے۔

اس دنیا میں ہر شخص دوسروں کا دست نگر بھی ہے اور دوسروں کے کام بھی آتا ہے۔ گویا وہ محتاج بھی ہے اور محتاج الیہ بھی۔ جب ہر شخص کے معاملات دوسروں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو ان کی

کچھ بنیاد اوراساس ہونی ضروری ہے۔ لہذا اسلام نے چند اصول طے کر دیے ہیں مثلاً" یہ کہ معاملہ ضرر اور غرر سے پاک ہو' یعنی وہ غیرواضح' غیریقینی اور کسی فریق کے لیے لازمی خطرہ یا نقصان کا باعث نہ ہو۔ دونوں فریق اس پر رضامند ہوں اور یہ رضامندی حقیقی ہو' مصنوعی نہیں۔ یہ نہ ہو کہ ایک فریق تو محفوظ ہو لیکن دوسرا خطرے میں ہو۔ معاملہ کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ کو بازی کھیلنی پڑے۔ کمین گاہ میں بیٹھ کر فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ وہ مارکیٹ میں آئے' بازار کا مقابلہ کرے اور اس کے بعد نفع کمائے تو یہ نفع جائز ہوگا۔ کتاب البیوع میں یہی امور زیر بحث آئیں گے۔

باب 277ما جاء فی قول اللہ تعالی فاذا قضیت الصلوہ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکر واللہ کثیرا لعلکم تفلحون واذا راو تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا و ترکوک قائما قل ما عنداللہ خیر من اللھو و من التجارۃ واللہ خیر الرازقین و قولہ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم

ترجمہ: باب اللہ تعالی کے اس قول کے بارے میں کہ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کے طالب ہو اور اللہ کو زیادہ یاد رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی تجارت یا دلچسپی کی چیز دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑے چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔ (سورہ جمعہ 10-11) اور اللہ تعالی کے اس قول کے بارے میں کہ تم اپنے مال آپس میں باطل ذریعے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندانہ تجارت کی راہ سے حاصل ہو جائے۔ (سورہ نساء 29)

وضاحت: یہاں چند آیات کو جو ایک باب کے تحت کر دیا ہے تو میرے نزدیک یہ جامعین کی غلطی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اوپر جو آیات کتاب البیوع کے تحت آئی ہیں وہ اور یہ آیات سب ایک ہی باب کے تحت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نسخوں میں اوپر کی دو آیات نہیں ہیں۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ نسخوں میں جب اتنا فرق واقع ہوگیا ہے تو یہ کیا بعید ہے کہ باب کا لفظ جامعین نے بیچ میں

ٹھونس دیا ہو۔ اگر یہ تمام آیتیں مجموعی طور پر سامنے رکھیے تو بلاشبہ تجارت' بیع اور کاروبار سے متعلق قرآن کی بعض اصولی تعلیمات مل جاتی ہیں جن کو امام صاحب احادیث سے مشید کریں گے۔ لیکن قرآن میں متعدد ایسی آیات مزید موجود ہیں جو تجارت سے متعلق ہیں اور امام صاحب نے ان کو نقل نہیں کیا۔

سورہ جمعہ کی آیات اس جامع تعلیم کی حامل ہیں کہ اہل ایمان کے لیے رزق و فضل کی جدوجہد پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ البتہ اس جدوجہد میں دنیا ہی مدنظر نہیں ہونی چاہیے' تجارت اور کاروبار سب کچھ کرو لیکن اس کے ساتھ یہ بات یاد رکھو کہ مرنے کے بعد آخرت بھی ہے اور اس کی فلاح بھی مطلوب ہے۔

سورہ نساء کی آیت کاروبار اور تجارت کے متعلق بنیادی رہنمائی دیتی ہے کہ معاملہ کے وہ طریقے جائز نہیں ہیں جن میں دونوں فریقوں کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ ایک کا مفاد محفوظ ہوتا ہے اور دوسرا دھوکا یا خطرہ سے دوچار ہوتا ہے یا وہ بے بسی اور مجبوری سے معاملہ کر رہا ہوتا ہے۔ سود کے معاملہ میں ہمیشہ ایک فریق مجبوری کے تحت قرض لیتا ہے۔ معاملہ کی دونوں پارٹیاں یکساں ربط لیں تب جاکر صالح تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور صالح تمدن کے قیام کے بغیر آدمی آخرت کی کامیابی سے محروم رہ جائے گا۔

1920- حدثنا ابوالیمان حدثنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی سعید ابن المسیب وابوسلمہ بن عبدالرحمن ان اباھریرہ رضی اللہ عنہ قال انکم تقولون ان اباھریرہ یکثر الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تقولون مابال المھاجرین والانصار لا یحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمثل حدیث ابی ھریرہ و ان اخوتی من المھاجرین کان یشغلھم الصفق بالاسواق و کنت الزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی مل ء بطنی فاشھد اذا غابوا و احفظ اذا نسوا و کان یشغل اخوتی من الانصار عمل اموالھم وکنت امرءا مسکینا من مساکین الصفہ اعی حین ینسون وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث یحدثہ انہ لن یبسط احد ثوبہ حتی اقضی مقالتی ھذہ ثم یجمع الیہ ثوبہ الا وعی ما اقول فبسطت نمرہ علی حتی اذا قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقالتہ جمعتھا الی صدری فمانسیت مقالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلک من شئی

ترجمہ: سعید بن المسیب اور ابو سلمہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا تم لوگ اعتراض کرتے ہو کہ ابو ہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت حدیثیں بیان کرتا ہے اور یہ بھی کہتے ہو کہ یہ کیا ماجرا

ہے کہ مہاجرین اور انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوہریرہؓ کی طرح روایت نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ مہاجر بھائی تو بازاروں میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اور میرا حال یہ تھا کہ جہاں پیٹ بھر گیا بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹا رہتا تھا۔ میں حاضر ہوتا تھا جبکہ وہ غائب ہوتے تھے۔ وہ بھول جاتے تھے اور میں یاد رکھتا تھا۔ اور میرے انصار بھائیوں کا حال یہ تھا کہ اپنے مویشیوں کی ذمہ داریوں میں لگے رہتے تھے جبکہ میں صفہ کے مساکین میں سے ایک تھا۔ میں محفوظ رکھتا تھا جبکہ یہ حضرات فراموش کرنے والے ہوتے تھے۔ ایک حدیث کے مطابق' جس کی روایت وہ خود ہی کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنا کپڑا میرے آگے پھیلائے گا' اس وقت تک جب تک کہ میں اپنی بات پوری کرلوں اور پھر اس کو اپنی طرف سمیٹ لے گا' تو جو کچھ بھی میں نے کہا ہوگا اس کو اپنے اندر جمع کرلے گا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک چادر جو میں اوڑھے ہوئے تھا بچھا دی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو ختم کرچکے تو میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں بھولا۔

وضاحت: معلوم ہوتا ہے کہ کثرت روایت کے باعث حضرت ابوھریرہؓ پر اس دور میں اعتراض ہوا۔ اس کے جواب میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں تو ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور مہاجرین و انصار اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ پر خاص کرم بھی تھا۔ آپ نے میرے لیے دعا کی تھی۔ آپ نے جو کچھ کہا میں نے اس کے اوپر عمل کیا اور اس کی برکت سے میں بھولتا نہیں ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت میں تو کوئی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر ابوھریرہؓ نے اپنی چادر پھیلا دی اور پھر سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالی ہو' پھر آپ خطبہ کو بھولے نہ ہوں۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ کی عام روایات میں سہو و نسیان پایا جاتا ہے۔ ان پر بعض دفعہ اجل صحابہؓ نے بھی اعتراض کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تو یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ ابوھریرہؓ کو معاف فرمائے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بات یوں فرمائی تھی اور ابوھریرہؓ نے اس کو یوں بیان کیا۔ متعدد روایات ایسی ہیں جن میں حضرت عائشہؓ صحابہ کرام میں جن کی فقاہت مسلمہ ہے' ان سے اختلاف کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوھریرہؓ سہو سے بالکل مامون نہیں ہوگئے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تجارت و کاروبار میں انہماک بڑھ جائے تو تحصیل علم سے غفلت ہو جاتی ہے۔ سورہ جمعہ کی آیات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے پیچھے اتنا نہ پڑو کہ دین کے فرائض

سے کوتاہی ہو جائے۔ یہ بات بھی ہے کہ اہل علم دنیا سے منقطع ہی رہے ہیں۔ اس کوچہ میں روایت یہی ہے۔ کوئی آدمی دنیا میں انہماک کے بعد اہل علم میں نہیں رہا ہے۔ بڑے بڑے فلسفیوں کو دیکھئے یہ لوگ دنیا کے دھندوں سے الگ ہی رہے۔ ارسطو کو کچھ دھوکا ہوا تو اس نے مار کھائی۔ یہ علم ہے ہی ایسی چیز کہ اس میں بڑی غیرت ہے۔ یہ شرکت کو گوارا نہیں کرتا۔ اگر کسی اور چیز کے ساتھ آپ کی دلچسپی رہے گی تو یہ بھی آپ کے ساتھ خالص نہیں ہوتا اور آپ عطائی ہی رہیں گے۔ علم جب سب سے زیادہ محبوب چیز بن جائے تب اس کی راہ کھلتی ہے۔ اگر اس کو آپ نے مال تجارت بنا لیا تو وہی کچھ بن کر رہ جائیں گے جس کا مشاہدہ آپ اپنے معاشرہ میں کر رہے ہیں۔

امام صاحب کا ان روایات کو نقل کرنے سے مقصود مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر بھی ہے اور انہوں نے آپ کے کہنے پر عمل بھی کیا۔ لیکن ان کا زندگی کا رویہ یہ رہا کہ بس شب و روز علم حاصل کیا اور صرف پیٹ بھر لینے پر ہی قانع رہے۔ دوسرے صحابہ جو تجارت یا زمینداری کرتے تھے وہ بھی دین ہی کا کام تھا' دنیا داری نہیں تھا لیکن علم میں وہ ابوہریرہؓ سے پیچھے رہ گئے۔

1921- حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن جدہ قال قال عبدالرحمن بن عوف لما قدمنا المدینہ اخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینی و بین سعد بن الربیع فقال سعد بن الربیع انی اکثر الانصار مالا فاقسم لک نصف مالی و انظر ای زوجتی ھویت نزلت لک عنھا فاذاحلت تزوجتھا قال فقال عبدالرحمن لا حاجہ لی فی ذالک ھل من سوق فیہ تجارہ قال سوق قینقاع قال فغدا الیہ عبدالرحمن فاتی باقط و سمن قال ثم تابع الغدو فما لبث ان جاء عبدالرحمن علیہ اثر صفرہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجت قال نعم قال و من قال امراہ من الانصار قال کم سقت قال زنہ نواہ من ذھب او نواہ من ذھب فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولم ولو بشاہ۔

ترجمہ: عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ جب ہجرت کر کے ہم مدینہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن الربیع کے درمیان مواخات قائم کر دی۔ سعد بن الربیع نے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں' میں آپ کو اپنا نصف مال دیتا ہوں اور دیکھ لیجئے میری دو بیویوں میں سے آپ جس بیوی کو پسند کریں' میں اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ جب اس کی عدت ختم ہو جائے تو آپ اس سے نکاح کر لیں۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا یہاں کوئی بازار ہے جہاں کاروبار ہوتا ہو۔ انہوں نے کہا قینقاع کا بازار ہے۔

کہتے ہیں کہ عبدالرحمن صبح کو بازار گئے تو کچھ پنیر اور روغن بچا کر لائے۔ پھر انہوں نے یہ آمدورفت جاری رکھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عبدالرحمن پر زعفرانی رنگ کا اثر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کس سے' انہوں نے کہا ایک انصاری عورت سے۔ آپ نے پوچھا کیا لے گئے تھے' انہوں نے کہا گٹھلی برابر سونا یا ایک گٹھلی سونے کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ولیمہ تو کرو خواہ ایک بکری کا سہی۔

وضاحت: اس روایت کی زبان عرب کی اس زمانے کی اصل زبان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو زبان تھی بغیر کسی کمی بیشی کے منتقل ہوگئی ہے۔ اس میں اگر کسی کو لطف نہ آئے تو وہ علم کے چکر میں نہ پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا۔ یوں سمجھئے کہ وہ حقیقی مواخات تھی اور آج تک اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مکہ سے جو مہاجرین آ رہے تھے ان کے مسائل کا گویا یہ حل تھا۔ اس روایت سے جہاں انصار کی فیاضی اور ایثار سامنے آتا ہے وہیں مہاجرین کا کردار' ان کی غیرت' استغناء اور اپنے زور بازو پر اعتماد بھی سامنے آتا ہے اور سبق ملتا ہے کہ جینے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ باعزت لوگ دوسروں کے بل پر نہیں جیتے۔ استغناء کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بھی برکت عطا فرماتا ہے۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ مجھے آپ کے مال وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں کوئی بازار ہے تو بتایئے کہ میں اس میں کاروبار کروں۔ حضرت سعد نے بازار کی نشان دہی کی۔ غرض انہوں نے محنت کی' کاروبار کیا' کچھ کمایا اور چند دنوں بعد ہی نکاح کر لیا اور ایک گٹھلی سونا بیوی کو مہر میں دیا۔

یہ روایت اس پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق صحابہؓ سے کس طرح کا تھا۔ یہ رشتہ آن بان کا نہیں بلکہ ہمدردی اور اعلیٰ اخلاق کا حامل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کاموں میں دلچسپی لیتے' شرکت فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ آپ نے عبدالرحمن بن عوف کو ولیمہ کرنے کا مشورہ بھی دیا اور فرمایا کہ یہ کم از کم ایک بکری کا ضرور ہونا چاہیے۔ مضمون اس سے یہ نکلتا ہے کہ ولیمہ ضروری ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو ایک بکری تو ذبح کر دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمے میں فیاضی کچھ بے جا بات نہیں ہے۔

1922 حدثنا احمد بن یونس حدثنا زہیر حدثنا حمید عن انس قال قدم عبدالرحمن بن عوف المدینہ فاخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینہ و بین سعد بن الربیع الانصاری و کان سعد ذاغنی فقال لعبدالرحمن اقاسمک مالی نصفین و

ازوجک قال بارک اللہ لک فی اہلک و مالک دلونی علی السوق فما رجع حتی استفضل اقطا و سمنا فاتی بہ اہل منزلہ فمکثنا یسیرا اوماشاء اللہ فجاء وعلیہ وضرمن صفرہ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مہیم قال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تزوجت امراہ من الانصار قال ما سقت الیہا قال نواہ من ذہب او وزن نواہ من ذہب قال اولم ولو بشاہ

ترجمہ: انسؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف (ہجرت کر کے) مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور سعد بن الربیع انصاری کو بھائی بھائی بنا دیا۔ سعد بہت مالدار تھے۔ انہوں نے عبدالرحمنؓ سے کہا کہ میں اپنا آدھا مال تم کو بانٹ دیتا ہوں اور تمہارا نکاح بھی کر دیتا ہوں۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ مبارک ہو آپ کو آپ کا مال اور آپ کا اہل۔ مجھے آپ بازار کا راستہ بتایئے۔ پھر وہ بازار گئے اور پنیر اور گھی بچا کر اپنے گھر والوں میں لائے۔ تھوڑا ہی عرصہ یا جتنا عرصہ اللہ نے چاہا گزرا تو وہ اس حال میں آئے کہ ان کے اوپر کچھ زعفرانی رنگ نمایاں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا کیا ہے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے ایک انصاری خاتون سے نکاح کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا لے گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا سونے کی گٹھلی یا گٹھلی برابر سونا۔ آپ نے فرمایا ولیمہ تو کرو۔ ایک ہی بکری کا سہی۔

وضاحت: یہ روایت وہی ہے جو اوپر گزری ہے لیکن اس میں آخری حصہ زیادہ شاندار عربی میں ہے۔

اس روایت میں سعدؓ کی طرف سے مال کی پیش کش تو ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ میری جس بیوی کو چاہو میں طلاق دے دوں گا تاکہ عدت پوری ہونے پر عبدالرحمن اس سے نکاح کر لیں۔ لیکن عبدالرحمن بن عوف کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش کش اس کی بھی تھی۔ بہرحال وہ بازار گئے' کچھ خریدا' بیچا' دام ادا کیے اور اس کے بعد کچھ بچا تو گھر والوں کے لیے کچھ پنیر اور روغن خرید لیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ وہ اکیلے نہیں تھے بلکہ گھر والے بھی ان کے ساتھ تھے۔ پچھلی روایت میں یہ ذکر نہیں تھا۔ باقی باتیں وہی ہیں۔

1923- حدثنا عبداللہ بن محمد حدثنا سفیان بن عمرو عن ابن عباس قال کانت عکاظ و مجنہ و ذوالمجاز اسواقا فی الجاہلیہ فلماکان الاسلام فکانہم تاثموافیہ فنزلت لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج قراھا ابن عباس

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز جاہلیت کے زمانے کے بازار تھے۔ جب اسلام آیا تو گویا لوگوں نے ان کے اندر کاروبار کرنا کچھ برا سمجھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے رب کا فضل ڈھونڈنا کچھ گناہ نہیں' حج کے موسموں میں۔ ابن عباس کی قرات ایسی ہی ہے۔

وضاحت اس روایت میں کئی چیزیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہاں آیت کا جو شان نزول بیان ہوا ہے وہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام آنے کے بعد بازاروں میں کاروبار کو کسی نے بھی برا نہیں سمجھا تھا اور نہ یہ اسلام کی تعلیم تھی۔ اسلام تو کہتا ہے کہ دنیا کے کاروبار سب کرو لیکن آخرت سے غافل نہ ہو جاؤ' اس کو مد نظر رکھ کر سب کام کرو۔ جس موقع پر یہ آیت آئی ہے وہاں یہ واضح کیا ہے کہ حج بہت بڑی عبادت ہے اور اسکے لیے تقویٰ کا زاد راہ لے کر جانا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار سر حج میں کرو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ نیت کے مطابق معاملہ ہوگا اور اگر کاروبار ہی مقصود بن جائے گا تو عبادت میں خلل پیدا ہوگا۔ گویا اس معاملہ میں دین کی جو اصل حکمت تھی وہ بتا دی اور حدود واضح کر دیں۔

اس روایت میں دوسرا سوال یہ ہے کہ ابن عباسؓ جب اس آیت کو پڑھتے تو "فی مواسم الحج" کا جملہ ساتھ ہی ملا کر پڑھتے تھے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ابن عباسؓ ہرگز ایسا نہیں پڑھ سکتے تھے۔ دراصل انہوں نے ان الفاظ میں آیت کی تاویل کی ہوگی جس کو راویوں نے قرات میں شامل کر دیا۔ اس طرح کی غلطی تفسیروں میں بہت ہے کہ قرآن کی تاویل جو صحابہؓ نے کی لوگوں نے اس کو قرات قرار دے دیا اور راوی نے کہہ دیا کہ ابن عباسؓ نے یوں پڑھا۔ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک میں وہ جملہ قرآن کی آیت بن جاتا ہے اور دوسری میں وہ قاری کی ایک تاویل ہے۔

باب 1278 الحلال بین والحرام بین و بینهما مشتبهات

حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے۔ بیچ میں کچھ شبہ کی چیزیں ہیں۔

1924- حدثنا محمد بن کثیر اخبرنا سفیان عن ابی فروه عن الشعبی عن النعمان بن بشیر قال قال النبی صلی الله علیه وسلم الحلال بین و الحرام بین و بینهما امور مشتبهه فمن ترک ماشبه علیه من الاثم کان لما استبان اترک و من اجترء علی ما یشک فیه من الاثم اوشک ان یواقع ما استبان والمعاصی حمی الله من یرتع حول الحمی یوشک ان یواقعه

ترجمہ: نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے' البتہ ان کے بیچ میں کچھ امور مشتبہ ہیں۔ تو جس نے وہ بات چھوڑ دی جس کے بارے میں گناہ ہونے کا شبہ ہے تو پھر وہ ظاہری گناہ کو سب سے زیادہ چھوڑنے والا بنے گا اور جو جرات کرکے شبہ کے گناہ میں پڑ جائے گا تو قریب ہے کہ وہ بدیہی گناہوں میں بھی پڑ جائے۔ یاد رکھو جتنے بھی محرمات ہیں ان کی مثال اللہ تعالیٰ کی چراگاہ کی ہے۔ تو جو شخص چراگاہ کے اردگرد چرائے گا تو قریب ہے کہ وہ

اس میں جا ہی پڑے۔

وضاحت: اس روایت کے اصل راوی نعمان بن بشیرؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں اور یہ روایت معنی کا ایک دفتر ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اصل کلام ہے اس کا یہ بہترین نمونہ ہے۔ ایک ماہر سے ماہر آدمی بھی اس کے سارے نکات بیان نہیں کر سکتا۔ دین کی اساس اس میں بیان ہو گئی ہے اور سب سے زیادہ مشکل مسئلہ کا سب سے زیادہ حکیمانہ حل بتا دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات یہ بتائی کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے' اس لیے کہ یہ فطرت میں ہے اور جب فطرت میں ہے تو شریعت میں بھی ہے' صالحین کے کلام میں بھی ہے۔ دنیا میں انسان صرف اس زمانے میں نیچے گرا ہے جب اس کو حلال اور حرام کی تمیز نہیں رہی۔

واضح حلال اور واضح حرام کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو گناہ سے بچائے تو وہ ان مشتبہ امور کو چھوڑ دے جن کے گناہ ہونے کا قطعی یقین تو نہیں ہے لیکن شبہ ہے۔ اگر وہ ان کو چھوڑ دے گا تو وہ بڑے گناہوں کو چھوڑنے والا بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ لیکن اگر وہ مشتبہ چیزوں میں پڑے کہ یہ معمولی چھوٹی چیزیں ہیں' ان کو اختیار کرنے سے ذرا ذائقہ تبدیل ہو جائے گا تو بالآخر یہ ہوگا کہ وہ بڑے بڑے گناہوں میں جری ہو جائے گا۔ یہ بڑی حکیمانہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ کی تربیت کے لیے یہی چیز سمجھ لینا کافی ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے محارم سے فاصلہ ہی پر رہو ورنہ ان میں تمہارے پڑ جانے کا ڈر ہے۔ یہ محارم اللہ تعالیٰ کی محفوظ کی ہوئی چراگاہیں ہیں۔ ان کے اندر داخل ہونا یا ان کے قریب جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ جس طرح سرکاری چراگاہ کی حدود کے قریب جانور چرانے میں اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی جانور چراگاہ کے اندر داخل ہو سکتا ہے اسی طرح ناجائز کاموں کے قریب ہونے میں بھی خطرہ ہوتا ہے کہ نفس انسانی حرام کام میں ملوث نہ ہو جائے۔ لہٰذا ان کی حدود سے دور رہنے ہی میں عافیت ہے۔

باب 1297 تفسیر المشتبهات و قال حسان بن ابی سنان مارایت شیا اهون من الورع دع مایریبک الی مالا یریبک

باب مشتبہات کی وضاحت کے بارے میں۔ اور حسان بن ابی سنان نے کہا کہ میں نے پرہیز گاری سے زیادہ آسان کوئی بات نہیں دیکھی۔ شک کی بات کو چھوڑ کر اس بات کو اختیار کرو جس میں شک

نہیں ہوتا۔

مشتبہات کی تفسیر میں امام صاحب نے حسان بن ابی سنان کا ایک قول نقل کیا ہے اور اسکو اصول بنا کر آگے روایت لائیں گے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ باب میں کوئی قول بطور تعلیق بھی نقل کر دیتے ہیں۔ انہوں نے یہاں جو تعلیق نقل کی ہے وہ بہت اعلیٰ ہے۔ حسان کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تقویٰ کا معاملہ نہایت آسان ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز شک پیدا کرے اس کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کرو جو شک سے بالاتر ہو۔ ان کے قول کا آخری حصہ حدیث مرفوع ہے۔ میرے نزدیک یہ بات ٹھیک ہے کہ ورع یعنی تقویٰ کے لیے کسوٹی یہی اصول ہے۔ آدمی بڑا زاہد صرف اس ایک اصول کو جان لینے سے بن جائے گا۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ شک و شبہ اور وسوسہ میں فرق کرنا چاہیے۔ آدمی کو خواہ مخواہ وسوسے میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ہروقت وسوسوں کی زد میں رہتے ہیں۔ نہ ان کا وضو پورا ہوتا ہے نہ نماز۔ یہ کیفیت وہم کی بیماری سے پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ سوال ذرا پیچیدہ ہے کہ شبہ میں اور وسوسے میں فرق کیا ہے' لیکن یہ فرق مخفی نہیں ہے۔ ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے اور دوسری چیز کو آپ خود کھٹکاتے ہیں۔

جب حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی' اور بیچ میں کچھ چیزیں مشتبہ ہیں تو ان مشتبہ چیزوں میں احتیاط کا راستہ اختیار کرنا چاہیے' لیکن احتیاط بیماری کی نوعیت نہ بن جائے۔ اس میں راہ آپ کو خود معین کرنا ہے۔ اگر خواہ مخواہ کو غلو کریں گے تو یہ بھی دین کے منافی ہے اور بے احتیاطی کریں گے تو یہ بھی اس کے منافی ہے۔ ایک متقی آدمی کے لیے' اگر وہ حکیم ہے تو' زحمت نہیں ہے اور اگر غیر حکیم ہے تو وہ البتہ الجھن میں پڑ سکتا ہے۔

1925۔ حدثنا محمد بن کثیر اخبرنا سفیان اخبرنا عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین حدثنا عبداللہ بن ابی ملیکہ عن عقبہ بن الحارث ان امراہ سوداء جاءت فزعمت انہا ارضعتہما فذکر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعرض عنہ و تبسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کیف وقد قیل و قد کانت تحتہ ابنہ ابی اھاب التمیمی۔

ترجمہ: عقبہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ایک حبشن عورت آئی اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ان کو اور ان کی بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیرلیا اور مسکرا دیے۔ آپ نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ یہ بات کہہ دی گئی۔ عقبہ کی بیوی ابواھاب تمیمی کی بیٹی تھیں۔

وضاحت: حبشن عورت نے جب یہ کہہ دیا کہ اس نے میاں بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے تو دونوں

رضاعی بہن بھائی ٹھہرے۔ عقبہ جب اس صورت حال میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو آپ نے فرمایا کہ اب تو کیونکر اس عورت کو رکھ سکتا ہے' اس لیے کہ بات تو کہہ دی گئی۔ مطلب یہ ہوا کہ رضاعت کا ثابت ہونا' شہادت ہونا' قرینہ ہونا یہ سب چیزیں تو الگ ہیں' جب ایک بات کہہ دی گئی تو کھٹک تو پیدا ہو گئی۔ اس صورت میں تم بیوی کے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو۔ اس روایت کو لا کر امام صاحب شبہ کی وہ نوعیت معین کرنا چاہتے ہیں جو معاملات میں قابل لحاظ ہوگی۔

1926۔ حدثنا یحی بن قزعہ حدثنا مالک عن ابن شہاب عن عروہ بن الزبیر عن عائشہ قالت کان عتبہ بن ابی و قاص عہد الی اخیہ سعد بن ابی وقاص ان ابن ولیدہ زمعہ منی فاقبضہ قالت فلما کان عام الفتح اخذہ سعد بن ابی وقاص و قال ابن اخی قد عہد الی فیہ فقام عبد بن زمعہ اخی و ابن ولیدہ ابی ولد علی فراشہ فتساوقا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال سعد یا رسول اللہ ابن اخی کان قد عہد الی فیہ و قال عبد بن زمعہ اخی و ابن ولیدہ ابی ولد علی فراشہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھولک یا عبد بن زمعہ ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر ثم قال لسودہ بنت زمعہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجبی منہ لما رای من شبھہ بعتبہ فمارآھا حتی لقی اللہ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو یہ ذمہ داری سونپی کہ زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو تم اپنے قبضہ میں کر لینا کیونکہ وہ مجھ سے ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو سعدؓ نے اس بچے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور مجھے اس نے اس کے بارے میں ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ عبد بن زمعہ اٹھے اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں مقدمہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سعد بن ابی وقاص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے مجھے اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے' میرے باپ کی لونڈی سے اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا ہے اے عبد بن زمعہ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اولاد اس کی طرف منسوب ہوگی جس کے بستر پر پیدا ہو۔ رہا زانی تو اس کے لیے محرومی ہے۔ پھر جب آپ نے لڑکے میں عتبہ کی مشابہت دیکھی تو اپنی زوجہ سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ تم اس سے پردہ کرنا۔ چنانچہ اس نے مرتے دم تک ان کو (حضرت سودہ کو) نہیں دیکھا۔

وضاحت: للعاھر الحجر میں حجر محرومی کے معنی میں ہے۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیافہ شناسوں نے لڑکے کی مشابہت عتبہ کے ساتھ بتائی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ عام قانون کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ وہ یہ کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اسی کا مانا جائے گا۔ کوئی دوسرا مدعی اس کا مستحق نہیں ہے۔ آپ کا حضرت سودہؓ کو یہ ہدایت کرنا کہ تم لڑکے سے پردہ کرو تو اس کا سبب یہ ہوا کہ لڑکے کی مشابہت دوسرے مدعی کے ساتھ ثابت ہوگئی تھی۔ معلوم ہوا کہ مشابہت کی بنیاد پر ایک رائے تو قائم ہوسکتی ہے لیکن قانونی معاملات میں جو حکم قانون کا ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ شبہ کی بنیاد پر واضح قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ قیافہ میں اور قانون میں اگر تصادم ہوگا تو قانون کا ساتھ دیا جائے گا۔

یہ بات میرے نزدیک اس لیے واضح ہے کہ قیافہ وغیرہ میں بڑے جھگڑے پیدا ہوسکتے ہیں۔ ہاں کسی معاملہ میں اگر دوسرے قرائن موجود ہوں اور قانون کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو تو قیافہ ایک مزید تائید فراہم کرتا ہے۔ اس طریقہ سے یہ معلوم ہوا کہ شکوک و شبہات کو قانون پر موثر نہیں ہونا چاہیے ورنہ بڑے جھگڑے پیدا ہوسکتے ہیں۔

روایت کے حوالے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو۔" کا اصول پہلے سے مروج تھا اور عبد بن زمعہ نے اس کا حوالہ دیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی اصول بیان فرمایا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

1927- حدثنا ابوالولید حدثنا شعبہ قال اخبرنی عبداللہ بن ابی السفر عن الشعبی عن عدی بن حاتم قال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المعراض فقال اذا اصاب بحدہ فکل و اذا اصاب بعرضہ فلاتاکل فانہ وقیذ قلت یا رسول اللہ ارسل کلبی و اسمی فاجد معہ علی الصید کلبا اخرلم اسم علیہ ولا ادری ایھما اخذ قال لا تاکل انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الاخر

ترجمہ: عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر معراض سے شکار ماریں تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر دھار کی طرف سے لگے تو کھالو اور اگر چوڑان سے لگے تو مت کھاؤ کیونکہ وہ چوٹ سے مرا مردار ہے۔ پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کتا بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دیتا ہوں' پھر اس شکار پر دوسرے کتے کو بھی پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کہا تھا' اور مجھے پتہ نہیں کہ اس شکار کو اصل میں کس کتے نے پکڑا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس شکار کو نہ کھاؤ' اس لیے کہ تم نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی تھی' دوسرے کتے پر نہیں پڑھی تھی۔

وضاحت: معراض برچھی کی قسم کا آلہ شکار تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس کے ایک طرف نوک یا دھار ہوتی تھی اور پھر یہ چوڑا حصہ ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر شکار نوک یا دھار لگنے سے ہلاک ہوا ہے تو اس کو کھاسکتے ہیں اور اگر چوڑائی کی طرف سے برچھی کی چوٹ لگنے سے مرا ہے تو اسکو نہ کھاؤ کیونکہ وہ چوٹ کھایا ہوا مردار ہے۔ چھوٹے جانور اور پرندے وغیرہ آسانی سے چوٹ لگنے سے مرسکتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں چوٹ سے مرے ہوئے جانور کی حرمت آئی ہے۔

اسی طرح شکاری کتا تو سدھایا ہوا ہوتا ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر اس کو شکار پر چھوڑتے ہیں تو اس کا کیا ہوا شکار گویا ذبح ہوگیا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا کتا بھی وہاں پہنچ گیا اور پتہ نہیں چلتا کہ شکار کو کس کتے نے مارا ہے تو شبہ پیدا ہوگیا۔ اس شکار کو حلال نہیں سمجھا جائے گا' اس لیے کہ بسم اللہ سدھائے ہوئے کتے پر پڑھی گئی تھی دوسرے کتے پر نہیں پڑھی گئی تھی۔

امام صاحب یہ سب روایات اس لیے نقل کر رہے ہیں کہ آپ اس کے ذریعہ سے متعین کر سکیں کہ کون سا شبہ قابل اعتنا ہے اور کونسا نہیں' اور یہی فقاہت ہے۔

باب 1280- ما یتنزہ من الشبہات۔

باب کس طرح کے شبہات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

1928- حدثنا قبیصہ حدثنا سفیان عن منصور عن طلحہ عن انس قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتمرہ مسقوطہ فقال لولا ان تکون صدقہ لاکلتھا و قال ھمام عن ابی ھریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجد تمرہ ساقطہ علی فراشی۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر راستے میں ایک پڑی ہوئی کھجور پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ گمان نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔ اور ہمام' ابوھریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تھے کہ میں اپنے بستر پر پڑی ہوئی کبھی کوئی کھجور پاتا ہوں۔

وضاحت: اس روایت کے دوسرے حصے میں' جو حضرت ابوھریرہؓ سے منقول ہے' یہ الفاظ ہیں کہ میں اپنے بستر پر کبھی کوئی کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں' تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صدقہ کا مال آتا اور غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہوتا رہتا تھا۔ لہٰذا اس طریقہ سے کوئی کھجور پڑی ہوئی نظر آئی تو شبہ کے لیے معقول وجہ تھی کہ وہ صدقے کی ہوگی۔ شبہ کرنے کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ لیکن راستے میں گری ہوئی کھجور پائیں تو یہ گمان کیوں ہو کہ وہ صدقہ کی ہوگی۔ حضرت انسؓ میں یہ بات ہے کہ کبھی وہ بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ابہام رہ جاتا ہے۔ کھجور کہیں بھی ملے' یہ شک کرلینا کہ صدقے کی ہے اس کے لیے کوئی نقطہ نہیں ہے۔ معقول شبہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو صدقے کا مال آتا تھا آپ اپنے کو اس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ دنیا کو کھلانے والے تھے' خود صدقہ کیوں کھاتے! لیکن آپ کے عمل سے یہ بات نکال لینا کہ تمام بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے' غلط ہے۔ یہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ صدقہ فقراء کا حق ہے' چاہے وہ بنی ہاشم میں سے ہوں یا ان کے سوا دوسرے لوگوں میں سے۔

1929 حدثنا ابونعیم حدثنا ابن عیینہ عن الزھری عن عباد ابن تمیم عن عمہ قال شکی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یجد فی الصلوہ شیئا ایقطع الصلوہ قال لا حتی یسمع صوتا او یجد ریحا و قال ابن حفصہ عن الزھری لا وضوء الا فیما وجدت الریح او سمعت الصوت

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا یہ شکوہ بیان کیا گیا کہ اس کو نماز میں کچھ محسوس ہوتا ہے تو کیا وہ نماز توڑ دے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں' جب تک حدث کی آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے۔ اور ابو حفصہ نے زہری سے نقل کیا کہ وضو جب ہی لازم ہوگا جب حدث کی آواز سنے یا بو پائے۔

وضاحت: روایت کے مطابق خواہ مخواہ کو وسوسے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ آدمی کو ظن غالب ہو کہ ناقض وضو حالت پیش آئی ہے' کوئی بو پائے یا آواز سنے تب نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرے۔

اس مسئلہ میں بھی امام صاحب کی رائے یہی ہے کہ وسوسے کی کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ خواہ مخواہ کو آدمی اپنے آپ کو زحمت میں نہ ڈالے۔ زہری کا فتوے بھی یہی ہے۔

1930- حدثنا احمد بن المقدام العجلی حدثنا محمد بن عبدالرحمن الطفاوی حدثنا ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ ان قوما قالوا یا رسول اللہ ان قوما یاتوننا باللحم لا ندری اذکروا اسم اللہ علیہ ام لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سموا اللہ علیہ و کلوہ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہ' ہمارے پاس کچھ لوگ گوشت لاتے ہیں اور ہمیں پتہ نہیں ہوتا کہ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہے یا نہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو کھالیا کرو۔

وضاحت: ایک تو وہ لوگ ہیں جن کا دین و مذہب الگ ہے۔ ان کے متعلق معلوم ہے کہ مشرک ہیں یا کافر و بے دین ہیں۔ یہ سوال ان کے بارے میں نہیں ہے۔ سوال ایسے لوگوں کے بارے میں ہے جو ہیں تو اپنوں میں سے لیکن دیہاتوں وغیرہ کے ہیں اور یہ فیصلہ نہیں ہوتا کہ واقعی قاعدے کے مطابق انہوں نے ذبح کیا ہے کہ نہیں۔ تب اس صورت میں کیا کیا جائے۔ کیا شبہ کی بنیاد پر گوشت رد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھ کر کھالیا کرو۔

ان روایات سے امام صاحب یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ کو شبہات میں پڑ کر اپنے آپ کو اللہ کے فضل اور نعمت سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

امین احسن اصلاحی

کھانے پینے کے آداب

موطا امام مالک کی کتاب الجامع کی روایات

النھی عن الشرب فی آنیہ الفضہ والنفخ فی الشراب

چاندی کے برتن میں پینے اور پینے کی چیز میں پھونک مارنے کی ممانعت

حدثنی عن مالک عن نافع عن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب عن عبداللہ ابن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق عن ام سلمہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الذی یشرب فی آنیہ الفضہ یجرجر فی بطنہ نار جھنم۔

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عبدالرحمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹ غٹ اتارتا ہے۔

وضاحت:۔ اونٹ پانی پیتا ہے تو جب اپنی گردن اوپر اٹھاتا ہے تو اس سے غٹ غٹ کی آواز آتی ہے۔ اس کے لئے "جر جر" کا لفظ آتا ہے۔ جہنم کی آگ اگرچہ پینے کی چیز نہیں لیکن عربیت کے قاعدے کے لحاظ سے یہ تعبیر' اس خاص آواز کے لئے جو پانی پینے سے نکلتی ہے' ٹھیک ہے۔ کھانے میں' پینے میں' سواری میں' مکان میں اور ہر چیز میں غیر ضروری تکلف اخلاق کے خلاف ہے۔ زندگی سادہ ہونی چاہئے۔ آدمی اپنی وسعت اور حوصلے کے مطابق اسے جتنا بھی بڑھا لے لیکن حدود سے کبھی تجاوز نہیں ہونا چاہئے۔ اگر چاندی کے برتن آپ کی میز پر ہوں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ریشمی سوٹ آپ کے سوٹ کیس میں ہوں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے چاندی کے برتنوں کی ممانعت اس لئے فرمائی کہ عربوں کی معاشرت سادہ تھی تو ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ایران اور مصر کی تہذیب کا عربوں کی زندگی پر خاصا اثر تھا اور ان کے برتنوں کے نام تک کافی تعداد میں معرب ہیں۔ حضرت عمرؓ کا طرز عمل بھی یہ بتاتا ہے کہ مشقت کی زندگی اختیار کی جانی چاہئے۔

حدثنی عن مالک عن ایوب بن حبیب مولی سعد بن ابی وقاص عن ابی المثنی الجھنی انہ قال: کنت عند مروان بن الحکم فدخل علیہ ابوسعید الخدری' فقال لہ مروان اسمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن النفخ فی الشراب' فقال

له ابو سعید نعم' فقال له رجل یا رسول الله صلی الله علیه وسلم انی لا اروی من نفس واحد' فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم فابن القدح عن فیک ثم تنفس' فقال له اری القذاة فیه قال فاهرقها۔

ترجمہ:۔ ابو المثنی جہنی کہتے ہیں کہ میں مروان بن حکم کے پاس موجود تھا تو وہاں ابو سعید خدری آگئے۔ مروان نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے پینے کے پانی میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے۔ ابو سعید نے کہا کہ ہاں۔ اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ' میں ایک سانس میں تو آسودہ نہیں ہو پاتا (لہٰذا لگاتار پیتا ہوں۔) آپ نے فرمایا کہ پیالہ ہونٹ سے الگ کر کے سانس لے لیا کرو۔ اس نے کہا کہ میں اس میں تنکا دیکھ لیتا ہوں تو؟ آپ نے فرمایا کہ پیالہ الٹ دو۔

وضاحت:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز سے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ آدمی پانی پیتا ہی چلا جائے اور سانس بھی پیالہ کے اندر ہی لے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آدمی تھوڑا تھوڑا پینے سے آسودہ نہ ہوتا ہو تو پیالہ کو منہ سے ذرا ہٹا کر سانس لے لے۔ پیالہ میں ہی سانس نہیں لینا چاہئے۔ آنحضرت کی یہ ہدایت طبی لحاظ سے بالکل درست ہے۔ پانی میں سانس لینے سے پانی سانس کی نالی میں چلے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

یہ نبی کا مقام ہے کہ حضور نے ہر معاملے میں امت کی رہنمائی فرمائی۔

ماجاء فی شرب الرجل وھو قائم
کھڑے کھڑے پانی پینے کے بارے میں روایات

حدثنی عن مالک انه بلغه ان عمر بن الخطاب و علی ابن ابی طالب و عثمان بن عفان کانوا یشربون قیاما۔

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ عمر بن خطابؓ علی ابن ابی طالبؓ اور عثمان بن عفانؓ کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے۔

حدثنی عن مالک عن ابن شہاب ان عائشه ام المؤمنین و سعد بن ابی وقاص کانا لا یریان بشرب الانسان وھو قائم باسا۔

ترجمہ:۔ ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ ام المومنین اور سعد بن ابی وقاص دونوں آدمی کے کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی قباحت نہیں خیال کرتے تھے۔

عن مالک عن ابی جعفر القاری انه قال: رایت عبدالله بن عمر یشرب قائما۔

ترجمہ:۔ ابو جعفر قاری روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھا۔

حدثنی عن مالک عن عامر بن عبدالله بن الزبیر عن ابیه انه کان یشرب قائما۔

ترجمہ:۔ عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے باپ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ کھڑے ہو کر پیتے تھے۔

وضاحت:۔ مذکورہ چاروں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے زمانے میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا کہ کیا کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے یا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس بارے میں دو رائیں رہی ہوں گی۔ اس سلسلہ میں امام مالک نے تعامل صحابہ کا حوالہ دیا ہے کہ تمام اکابر صحابہ کھڑے ہو کر پینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان روایات سے یہ مسئلہ تو بالکل واضح ہو گیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی مضائقہ نہیں' البتہ کھڑے ہو کر کھانا کھانے کا مسئلہ قابل غور ہے۔ صحابہؓ کے دور میں یہ تصور بھی نہ تھا کہ کبھی ہوٹل کا وقت بھی آئے گا اور لوگ کھڑے ہو کر کھانا کھایا کریں گے۔

السنه فی الشرب و مناولته عن الیمین
پینے اور داہنے سے پکڑانے کے بارے میں سنت

حدثنی عن مالک عن ابن شہاب عن انس بن مالک ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اتی بلبن قد شیب بماء من البئر' وعن یمینه اعرابی' وعن یساره ابو بکر الصدیق فشرب ثم اعطی الاعرابی وقال الایمن فالایمن

ترجمہ:۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا اس میں کنویں کا پانی ملایا گیا تھا۔ آپ کے داہنے ایک بدو تھا اور بائیں حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ آپؐ نے پیا اور بدو کو دے دیا اور کہا کہ داہنا داہنا ہی ہے۔

وضاحت:۔ مطلب یہ کہ داہنا مقدم ہے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ جب ابو بکر صدیقؓ کو نظر انداز کر کے بدو کو پہلے دے رہے ہیں تو یہ بڑی چیز ہے اور اس کا سبب داہنے کا احترام ہے۔

حدثنی عن مالک عن ابی حازم بن دینار عن سہل بن سعد الانصاری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اتی بشراب فشرب منه و عن یمینه غلام وعن یساره الاشیاخ فقال للغلام اتاذن لی ان اعطی ھولاء الاشیاخ؟ فقال الغلام لا والله یا رسول الله لا اوثر بنصیبی منک احدا۔ قال فتله رسول الله صلی الله علیه وسلم فی یده۔

ترجمہ:۔ سہل بن سعد انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی پینے کی چیز لائی گئی۔ آپؐ نے اس میں سے پیا۔ آپ کے داہنے ایک چھوکرا تھا اور بائیں بڑے عمر

رسیدہ لوگ۔ آپؐ نے لڑکے سے پوچھا کیوں بھئی تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان بزرگوں کو دے دوں۔ لڑکے نے کہا نہیں یا رسول اللہ' میں آپ کا بخشا ہوا حصہ کسی کے لئے ایثار کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وضاحت: معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا نہایت ہی سلیم الطبع تھا۔ جو حصہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل رہا تھا وہ کسی کو دینے پر تیار نہ ہوا اور اکابر صحابہ دیکھتے ہی رہ گئے۔ یہ بھی وہ شے کا احترام تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحوظ رکھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے۔

جامع ماجاء فی الطعام والشراب

کھانے اور پینے کے بارے میں جامع روایات

حدثنی عن مالک عن اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انہ سمع انس بن مالک یقول: قال ابو طلحہ لام سلیم لقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضعیفا اعرف فیہ الجوع فھل عندک من شئی؟ فقالت نعم فاخرجت اقرا صامن شعیر ثم اخذت حمارا لھا فلفت الخبز ثم دستہ تحت یدی و ردتنی ببعضہ ثم ارسلتنی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال فذھبت بہ فوجدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا فی المسجد و معہ الناس فقمت علیھم' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلک ابو طلحہ؟ قال فقلت نعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمن معہ قوموا۔ قال فانطلق و انطلقت بین ایدیھم حتی جئت ابا طلحہ فاخبرتہ' فقال ابو طلحہ یا ام سلیم قدجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناس ولیس عندنا من الطعام مانطعمھم فقالت اللہ و رسولہ اعلم قال فانطلق ابوطلحہ حتی لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل رسول اللہ و ابوطلحہ معہ حتی دخلا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلمی یا ام سلیم ماعندک فاتت بذالک الخبز فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففت و عصرت علیہ ام سلیم عکہ لھا فادمتہ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماشاء اللہ ان یقول ثم قال ائذن بعشرہ بالدخول فاذن لھم فاکلوا حتی شبعوا ثم خرجوا' ثم قال ائذن لعشرۃ بالدخول فاذن لھم فاکلو احتی شبعوا ثم خرجوا' ثم قال ائذن لعشرۃ فاذن لھم فاکلوا حتی شبعوا ثم خرجوا ثم قال ائذن لعشرۃ فاذن لھم فاکلوا حتی شبعوا ثم خرجوا' ثم قال ائذن لعشرۃ فاذن لھم فاکلوا حتی

شبعوا ثم خرجوا' ثم قال ائذن لعشرۃ حتی اکل القوم کلھم و شبعوا' والقوم سبعون رجلا او ثمانون رجلا۔

ترجمہ:۔ عبداللہ بن ابی طلحہ کہتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ ابو طلحہ نے اپنی بیوی ام سلیم سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے۔ میرے خیال میں آپ بھوک میں مبتلا ہیں۔ کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ انہوں نے چند ٹکیاں جو کی نکالیں' ان کو اپنی اوڑھنی کے کچھ حصہ میں لپیٹا اور میری بغل میں دے دیا اور اوڑھنی کا کچھ حصہ میرے اوپر ڈال دیا۔ پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ آپ کے پاس اور لوگ بھی ہیں۔ میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے کہا کہ چلو۔ سب لوگ چل پڑے۔ اور میں ان کے آگے آگے تھا' یہاں تک کہ میں ابو طلحہ کے پاس آیا اور ان کو خبر دی۔ ابو طلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس اتنا کھانا تو نہیں کہ ان کو کھلا سکیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ انسؓ کہتے ہیں کہ ابو طلحہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو طلحہ ساتھ ساتھ گھر میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ام سلیم لاؤ کیا ہے تمہارے پاس۔ انہوں نے وہی روٹیاں پیش کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ چور رہ کی گئیں اور ام سلیم نے اپنی چمڑے کی کپی اوپر انڈیل دی اور اس کو سالن دار کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جو چاہا دعا کی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ دس آدمیوں کو اندر بلاؤ۔ آپ کی اجازت سے انہوں نے کھایا' آسودہ ہو گئے اور نکل گئے۔ آپ نے پھر کہا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ۔ وہ آئے' کھایا' آسودہ ہو گئے اور نکل گئے۔ آپ نے پھر کہا دس آدمیوں کو بلاؤ۔ وہ آئے' کھایا' آسودہ ہو گئے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ۔ یہاں تک کہ سب لوگوں نے کھایا اور آسودہ ہو گئے۔ یہ تمام لوگ ستر یا اسی آدمی تھے۔

وضاحت:۔ یہ روایت صحیح بخاری' صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں بھی آئی ہے لیکن الفاظ ہر جگہ بدلے ہوئے ہیں۔ زرقانی نے دس روایتوں کا حوالہ دیا ہے اور ان سب میں الفاظ مختلف ہیں۔ ان کے خیال میں موقع ایک ہی ہے البتہ واقعات مختلف ہو سکتے ہیں جن کو اکٹھا کر کے ایک واقعہ بنانے میں کامیابی نہیں ہوتی۔ بعض محدثین کا خیال ہے کہ ان تمام روایات کے مواقع الگ الگ ہوں گے' حالانکہ واقعات کا اختلاف اس بات کا قرینہ نہیں ہوتا کہ ان کا موقع الگ الگ ہو۔

بعض روایات کی رو سے یہ واقعہ غزوہ خندق کے دوران پیش آیا۔ اس روایت میں جو کی روٹیوں کا ذکر ہے جن کا چورا بنایا گیا اور اس میں گھی یا تیل ملا کر نرم کیا گیا' دوسری روایات میں بکری ذبح کر کے شوربے کے ساتھ روٹی کھلانے کا۔ اگر یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے تو مسجد سے مراد مسجد نبوی نہیں ہوگی بلکہ وہ جگہ ہوگی جہاں سب لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہوں گے۔ اس روایت کے مطابق روٹیاں تیار تھیں جبکہ دوسری روایت میں یہ ہے کہ مزدوری کے معاوضہ سے غلہ خرید کر پیسا گیا اور اس سے روٹی بنائی گئی۔ روایات میں کھانے والوں کی تعداد کا فرق بھی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ تعداد چالیس تھی۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ کھانے میں برکت ہو سکتی ہے تو یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ برکت ہوتی ہے۔ آنحضرت کی دعا کے بعد اس میں ہر برکت کی توقع ہو سکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات بائبل میں بیان ہوئے ہیں ان میں بھی ہے کہ بعض اوقات لوگوں کی بھیڑ ہوتی تھی کہ آپ ان کو کھانے کی دعوت دے دیتے۔ ان کا خادم پوچھتا کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے۔ وہ کہتے کہ تم کھلاؤ گے۔ وقت آنے پر پوچھتے کہ تمہارے پاس کتنی روٹی ہے۔وہ کہتے تین یا پانچ۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ اپنا معجزہ دکھاتے اور تمام گروہ کھا کر آسودہ ہو جاتا اور اس کے بعد بھی روٹی کے کئی ٹوکرے اٹھائے جاتے۔ لہٰذا پیغمبر کی دعا کی برکت سے ایسا ہونا ممکن ہے۔

حدثنی عن مالک عن ابی الزنا دعن الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: طعام الاثنین کافی الثلاثہ و طعام الثلاثہ کافی الاربعہ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لئے کافی اور تین کا چار آدمی کے لئے کافی ہونا چاہئے۔

وضاحت:۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دل میں جگہ ہو تو کھانے میں بھی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر دل تنگ ہو تو پھر کھانے کی برکت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ہر روز تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ کھانا اگرچہ دو آدمی کا ہوتا ہے لیکن تین چار کھا لیتے ہیں۔ روایت کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حکم ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ ایسا ہونا چاہئے۔ آدمی کے دل میں فیاضی اور وسعت ہو' قناعت اور ایثار ہو' خود غرضی اور طمع نہ ہو۔

حدثنی عن مالک عن ابی الزبیرا المکی عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اغلقوالباب ولوکوالسقاء واکفوالاناء واطفؤا المصباح فان الشیطان لایفتح غلقا ولایحل وکاء ولایکشف اناء' وان الفویسقہ تضرم علی الناس بیتھم۔

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے سے پہلے دروازہ بند کر لو' مشکیزہ باندھ دو' برتن ڈھانک دو اور چراغ گل کر دو۔ کیونکہ شیطان بند

دروازے کو نہیں کھولتا' نہ مشکیزہ کا بندھن کھولتا ہے اور نہ ہی برتن کو کھولتا ہے۔ جبکہ چوہیا لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دیتی ہے۔

وضاحت:۔ روز مرہ زندگی سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایات دی ہیں جو بے حد قیمتی ہیں۔ یہ حکمت کی تعلیم ہے۔ چھوٹی چھوٹی بے پروائیاں بعض اوقات بہت سنگین نتائج تک پہنچا دیتی ہیں۔ لہٰذا آدمی کو محتاط رویہ رکھنا چاہئے۔ قرآن مجید کی روشنی میں شیطان کو جو اختیار حاصل ہے وہ بس اتنا ہے کہ صرف وسوسہ اندازی کرے۔ وہ عملاً کچھ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ دلوں میں غلط فہمیاں ڈال کر فتنہ اندازی کرتا ہے۔ اگر اسے عملاً نقصان پہنچانے کا اختیار ہو تو کوئی گھر سلامت نہ رہے۔ اسی حقیقت کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔

فویسقہ کا لفظ بہت ہی عمدہ ہے۔ طبیعت پھڑک اٹھی۔ یہ فاسقہ (چھنال) کی تصغیر ہے اور حضور نے اس سے مراد چوہیا کو لیا ہے جو گھروں میں بڑے نقصانات کر دیتی ہے۔ گزشتہ زمانے میں اور آج بھی دیہاتوں میں سرسوں کے تیل کے دیئے استعمال ہوتے ہیں۔ چوہیا کی غذا اس میں ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جلتی بتی لے اڑتی اور گھر میں آگ لگا دیتی ہے۔

حدثنی عن مالک عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی شریح الکعبی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا اولیصمت ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم جارہ' ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ' جائزتہ یوم ولیلہ وضیافتہ ثلاثہ ایام فما کان بعد ذالک فھو صدقہ' ولا یحل لہ ان یثوی عندہ حتی یحرجہ

ترجمہ:۔ ابو شریح الکعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کرے یا چپ رہے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے' ایک دن اور ایک رات خاطر تواضع کرے اور تین دن تک میزبانی کرے۔ اس کے بعد جو ہے وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کے پاس اتنا ٹھہرے کہ میزبان کو تنگ کر دے۔

وضاحت:۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کو آنحضرتؐ نے روشن نہ فرمایا ہو۔ اس روایت میں زندگی کے بعید گوشوں سے متعلق رہنمائی فرمائی ہے۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ زبان کھولے تو خیر کے لئے ورنہ خاموش رہے کیونکہ سارے فتنے زبان کے بے جا استعمال سے جنم لیتے اور بالآخر آدمی کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔ فضول بکواس' غیبت' تہمت' تحقیر نہیں کرنی چاہئے۔ کلمہ خیر

ہے تو ٹھیک ورنہ خاموشی اختیار کرنا ہی بھلے لوگوں کا طریقہ ہے۔

اللہ اور یوم آخر پر ایمان کا تقاضا یہ بھی ہے کہ پڑوسی کی عزت اور مہمان کی قدر کرے ورنہ اس کا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت معتبر نہیں۔ مہمان کے متعلق حضور نے یہ بھی فرمایا کہ پہلے دن اور رات کو آدمی اس کی خاطر تواضع کرے اور اس کے بعد تین دن تک ضیافت کرے یعنی جو کچھ خود کھاتا ہے وہ اسے بھی کھلائے۔ اس کے بعد اس کو کھانا کھلانا صدقہ ہے یعنی وہ مہمان نہیں بلکہ سائل کے درجہ میں ہوگا۔ مہمان کے لیے آپ نے یہ نصیحت فرما دی کہ وہ اتنا قیام نہ کرے کہ میزبان کی زندگی اجیرن کر دے۔

حدثنی عن مالک عن سمی مولی ابی بکر عن ابی صالح السمان عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: بینما رجل یمشی بطریق اذاشتدت علیہ العطش فوجد بئرا فنزل فیھا فشرب وخرج' فاذا کلب یلھث یاکل الثری من العطش' فقال الرجل لقد بلغ ھذا الکلب من العطش مثل الذی بلغ منی فنزل البئر فملا خفہ ثم امسکہ بفیہ حتی رقی ثم سقی الکلب فشکر اللہ لہ فغفرلہ' فقالوا یا رسول اللہ وان لنافی البھائم لاجرا' فقال فی کل ذی کبد رطبۃ اجر۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص راستے میں جا رہا تھا کہ اس کو سخت پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں پایا تو اس میں اتر گیا۔ اس نے پانی پیا اور نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپتا ہوا پیاس کے باعث مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس کو خیال آیا کہ اس کتے کو بھی وہی پیاس ہے جس سے مجھے سابقہ تھا۔ وہ کنویں میں اترا' اپنا موزہ پانی سے بھرا اور منہ میں پکڑ لیا یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا۔ پھر پانی کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ خدمت پسند آئی تو اس کو بخش دیا۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ' کیا جانوروں کی خدمت کرنے میں بھی اجر ہے؟ آپؐ نے فرمایا جی' ہر ایک میں کہ جس کے اندر جگر ہے' اس کا اجر ہے۔

وضاحت:۔ بعض اوقات جس جذبے کے تحت کوئی کام کرتا ہے وہی اصل ہوتا ہے۔ جس شخص کا یہ جذبہ تھا کہ کتے کی پیاس دیکھ کر یہ کہے کہ اس کو بھی میرے جیسی پیاس لگی ہے وہ یقیناً بھلا آدمی ہو سکتا ہے' فاسق و فاجر شخص نہیں ہو سکتا۔ یہ ہر آدمی کا کام نہیں۔ اس شخص نے ایک ایسی خدمت کر دی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس کو معاف کر دیا۔ میرے خیال میں اس طرح کے آدمی نہایت شریف اور بنیادی طور پر نیک ہوتے ہیں۔ ان کے اندر رحم کا جذبہ ہوتا ہے۔ اس طرح کے آدمی کی غلطیاں ایسی نہیں ہوتیں کہ اس کو جہنم میں لے جائیں بلکہ ان کی اس طرح کی نیکیوں سے دھل جاتی ہیں۔

لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ کوئی زانیہ فاسقہ عورت ایسا کام کرے تو بخش دی جائے گی تو بحث پیدا ہوتی ہے۔ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ اس طرح کے لوگ کبھی توفیق نہیں پاتے۔ جو بھلے لوگ ہوتے ہیں ان کو ہی اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے کہ کوئی چھوٹی سی نیکی بھی وہ اس شان سے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے اور اس کی خوشی ان کی بخشش کے لئے کافی ہوتی ہے۔

ایک بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آدمی کی اس نیکی نے اس کے اچھے اعمال کے پلڑے کو اتنا بھاری کر دیا کہ اس کے گناہوں کا پلڑا مقابلتاً ہلکا ہو گیا۔ جس خلوص سے اس نے نیکی کی اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اس میں شامل کر کے اس کے نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

حدثنی عن مالک عن وھب بن کیسان عن جابر بن عبداللہ انہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثا قبل الساحل فامر علیھم ابا عبیدہ بن الجراح وھم ثلاثمائہ قال وانا فیھم قال خرجنا حتی اذاکنا ببعض الطریق فنی الزادفامرابو عبیدہ بازواد ذالک الجیش فجمع ذالک کلہ فکان مزودی تمر قال فکان یقوتناہ کل یوم قلیلا قلیلا حتی فنی ولم نصبنا منہ الاتمرہ تمرہ فقلت وما تغنی تمرہ فقال لقد وجدنا فقدھا حیث فنیت قال ثم انتھینا الی البحر فاذا حوت مثل الظرب فاکل منہ ذلک الجیش ثمانی عشرہ لیلہ ثم امر ابوعبیدہ بضلعین من اضلاعہ فنصبنا ثم امر براحلہ فرحلت ثم مرت تحتھما ولم نصبھما' قال مالک الظربُ الجبیل۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی جانب ایک مہم بھیجی اور اس پر ابو عبیدہ بن جراح کو امیر بنایا۔ یہ پوری پارٹی تین سو آدمیوں کی تھی اور میں بھی ان میں شامل تھا۔ کہتے ہیں کہ جب ہم راستے میں ہی تھے تو زاد راہ ختم ہو گیا۔ لشکر کے پاس جتنا غذائی سامان تھا' حضرت ابوعبیدہ نے کل کا کل جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ کھجور کے دو توشہ دان بنے۔ کہتے ہیں کہ امیر ہمیں روزانہ تھوڑا تھوڑا راشن دیتے تھے' یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اور ہمیں اس میں سے ایک ایک کھجور ملنے لگی۔ میں نے کہا' "اس ایک کھجور سے کیا بنتا ہو گا؟" انہوں نے کہا کہ ہم نے اس کی کمی کو اس وقت محسوس کیا جب وہ بھی ختم ہو گئی۔ پھر ہم ساحل پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑی کی طرح کی ایک مچھلی پڑی ہوئی ہے۔ لشکر نے اس سے اپنی غذائی ضرورت پورے اٹھارہ دن پوری کی۔ پھر ابوعبیدہ نے حکم دیا تو اس کی دو پسلیاں کھڑی کی گئیں' پھر انہوں نے سواری کے اونٹ پر کجاوہ رکھوایا' پھر وہ سواری ان کے نیچے سے گزاری گئی اور وہ ان پسلیوں کو چھوئی نہیں۔

وضاحت: یہ واقعہ سریہ سیف البحر کا ہے۔ زادراہ ختم ہو جانے پر ایک عظیم الجثہ مچھلی کا ملنا مجاہدین

کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد تھی جو غیر متوقع طور پر ان کو حاصل ہوئی اور انہوں نے اٹھارہ روز تک مچھلی کھائی۔ اس زمانے میں آجکل کے فریزر تو نہیں تھے۔ گوشت خشک کر کے رکھتے تھے۔ مچھلی کا بھی اور دوسرے جانوروں کا بھی۔ شریعت میں سمندر کا جانور حلال ہے اور اس کے لئے زندہ پکڑے جانے کی کوئی شرط نہیں۔ ہمارے ہاں فقہا میں دو گروہ ہیں' جو دو انتہاؤں پر ہیں۔ احناف کے ہاں معروف مچھلی کے سوا اور کوئی چیز جائز نہیں' حالانکہ مچھلیاں بہت بڑی بڑی بھی ہوتی ہیں۔ شوافع کے ہاں شاید چند جانوروں کے سوا باقی سب سمندری جانور جائز ہیں۔ سمندری گھوڑے اور خنزیر' کچھوا اور کیکڑے بھی ان کے مذہب میں حلال ہیں۔ عام تصور دین میں بھی ان کی فقہ میں بڑی وسعت ہے۔ احناف نے بالکل پابند کر دیا ہے۔ میرے خیال میں دونوں میں تھوڑی سی افراط و تفریط ہے۔ اصل میں دیکھا یہ گیا ہے کہ جس طرح خشکی کے جانوروں میں جیسے ریچھ' سانپ اور بچھو بھی ہیں' اسی طرح پرندے بھی ہیں اور درندے بھی۔ پھر پرندوں میں بھی درندے ہیں' جو گوشت کھانے والے جانور ہیں۔ مذاق سلیم کے ساتھ یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ کونسی چیزیں کھانے کی ہیں اور کون سی کھانے کی نہیں ہیں۔ چوپایوں میں بہت سے جانور جو جنگل میں پائے جاتے ہیں' مثلاً ہرن' گورخر' نیل گائے وغیرہ۔ یہ سب مویشی چوپایوں کے حکم میں ہیں۔ اسی طرح سمندری جانوروں میں بہت سے ہیں جو خشکی کے درندوں (سباع) یا سانپوں سے مشابہ ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو انہی جانوروں کی مانند ہیں جن کو ہم کھاتے ہیں۔ موخرالذکر کا کھانا تو بلاشبہ جائز ہے لیکن جو جانور سانپوں اور بچھوؤں کے مشابہ ہیں' ان کو نہیں کھانا چاہیے۔ علی ھذا القیاس سمندری پرندے مچھلیوں کے حکم میں نہیں آتے' بلکہ ان کا ذبح ہونا ضروری ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ سمندر میں بھی رہتے ہیں اور خشکی پر بھی رہتے ہیں۔ ان کا دونوں طرف آنا جانا ہوتا ہے۔ ان میں بھی بہت سے پرندے ایسے ہیں کہ جن کے گوشت میں حلت و حرمت کی بحث پیدا ہوتی ہے۔ میں نے سمندر کا سفر کیا ہے اور دیکھا ہے کہ غول کے غول پرندے ہوتے ہیں' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانے کے نہیں ہیں اور ایسے بھی ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانے کے ہیں۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ کیا اتنی بڑی مچھلی ہو سکتی ہے جس کی پسلیوں کو کھڑا کیا جائے تو ان کے نیچے سے اونٹ گزر سکے تو ایسا ہونا بعید نہیں۔ وہیل مچھلیاں بہت بڑی ہوتی ہیں۔ ان کے پیٹ میں کئی ہاتھی سما سکتے ہیں اور یہ مچھلیاں بعض اوقات سمندروں کے ساحلوں پر مردہ پائی بھی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کوئی ایسی ہی مچھلی مجاہدین کی خوراک بنی۔

حدثنی عن مالک عن زید بن اسلم عن عمرو بن سعد بن معاذ عن جدته ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال یانساء المؤمنات لاتحقرن جاره لجارتها ولوکراع شاه محرقا۔

ترجمہ: سعد بن معاذ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین کی بیویو' تم میں سے کوئی بھی اپنی پڑوسن کے لیے حقیر نہ سمجھے' اگرچہ بکری کی ایک جلی ہوئی کھری ہی کیوں نہ ہو۔

وضاحت: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی ہے کہ اے مومن خواتین' تم میں سے کوئی بھی اپنی پڑوسن کے لئے اپنے تحفہ کو حقیر نہ جانے' اگرچہ یہ تحفہ بکری کی جلی ہوئی کھری ہی کیوں نہ ہو۔ بکری کا جلا ہوا کھر یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ہو تو یہ نہ سوچنا چاہیے کہ ایسا تحفہ کیا دینا۔ جو کچھ بھی میسر ہو' اس میں سے تحفہ بھیجنا چاہیے۔ یہ محبت کا اظہار ہے۔ محبت کے اسی اظہار کے لئے دوسری روایت میں آیا ہے کہ تحفے دیا کرو۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ کوئی اچھی سی چیز ہو تو تحفہ بھیجوں۔ اپنے اظہار تعلق کے لئے یہ ضروری ہے کہ کچھ بھی ہو بھیجنا چاہیے اور تحفہ وصول کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ کسی بھی تحفہ کو حقیر نہ خیال کرے۔ "کراع" بکری کے کھر کو کہتے ہیں اور اس کو تیار کرنے کے لئے آگ پر جلاتے ہیں۔ جب اس کا سوپ بنتا ہے تو وہ کوئی حقیر چیز نہیں ہوتا۔ وہ قیمتی ہوتا ہے' اگرچہ کھر خود اتنا قیمتی نہیں ہوتا۔ آجکل تو کھر کے بھی اتنے دام ہیں کہ حضرت عمرؓ اگر ہوتے تو اتنی قیمتی ڈش کبھی نہ کھاتے۔ نفسیاتی طور پر یہ حقیقت ہے کہ تحفے تحائف محبت بڑھانے کا قابل اعتماد ذریعہ ہیں۔

حدثنی عن مالک عن عبدالله بن ابی بکر انه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قاتل الله الیهود نهوا عن اکل الشحم فباعوه فاکلوا ثمنه

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ یہود کو غارت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چربی کھانے سے منع کیا تو انہوں نے (یہ حیلہ کیا کہ) اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھا گئے۔

وضاحت: قرآن مجید میں ہے کہ یہود کی سرکشی کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اصر و اغلال کی نوعیت کی جو چیزیں ان پر حرام کیں' ان میں چربی بھی تھی' تو انہوں نے یہ طریقہ ایجاد کر لیا کہ چربی بیچ کر اس کی قیمت کھا جاتے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو چیز کھانے کے لئے حرام ہے تو اس کی تجارت کر کے فائدہ اٹھانا بھی حرام ہے۔ جس چیز کا کھانا ممنوع نہیں' اس کی بیع کی حرمت کی بھی کوئی وجہ نہیں۔

حدثنی عن مالک انه بلغه ان عیسی ابن مریم کان یقول یا بنی اسرائیل علیکم بالماء القراح والبقل البری و خبز الشعیر وایاکم خبز البر فانکم لن تقوموا بشکره

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم فرماتے تھے کہ اے بنی

اسرائیل' تمہارے لئے صاف پانی' کھیتی کی سبزی اور جو کی روٹی ہے' یہ کھایا کرو اور گیہوں کی روٹی سے بچو کہ تم اس کا شکر نہیں ادا کر پاؤ گے۔

وضاحت: یہ امام مالک کے بلاغات میں سے ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ یہ بات انہوں نے کہاں سے سنی۔ اس پر نہ ہی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے' اور نہ ہی یہ بات انجیلوں میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معروف اقوال جو انہوں نے سنے' ان میں سے یہ ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام مالک سند کو اہمیت نہیں دیتے' اگر بات مفید ہو تو روایت کر دیتے ہیں۔

(ترتیب: سعید احمد)

[بقیہ ... از صفحہ گزشتہ]

پابندی کو اسمبلی اور سینیٹ کے ہفت خوان میں سے نہیں گزارا گیا اور ملک بھر میں یہ پابندی تسلیم کر لی گئی۔ علی ہذا القیاس حکومت اگر نیک نیت ہو تو اسی طرح کی اصلاحات فلم انڈسٹری' ریڈیو' ٹی وی' نصاب تعلیم' مالی امور وغیرہ متعدد دائروں میں کر سکتی ہے اور آئین اس میں مزاحم نہیں ہوتا۔ اس طرح جب ملک میں اصلاح کی فضا پیدا ہو جائے اور لوگ دیکھیں کہ خود حکمرانوں کے رہن سہن اور حکمرانی کے طور طریقوں میں تبدیلی آ چکی ہے تو اس فضا میں جب شریعت بل کی قسم کی چیزیں سامنے آئیں گی تو وہ بھی سب کو قابل قبول ہوں گی۔ اس طرح کے اقدامات کے بغیر یہی سمجھا جائے گا کہ حکومت اپنے مصالح کی خاطر اب شریعت بل پیش کر کے عوام کو بے وقوف بنا رہی ہے۔

مقالات

خالد مسعود

نصاریٰ کے ساتھ جنگیں

مدینہ منورہ سے شمال میں چند روز کی مسافت پر خیبر کا علاقہ تھا۔ اس کے مغرب میں وادی القریٰ کی زرخیز سرزمین تھی۔ یہ تمام علاقے یہود کے کنٹرول میں تھے۔ وادی القریٰ کے شمال میں جو عرب قبائل آباد تھے ان کے سیاسی روابط بازنطینی حکومت کے ساتھ تھے جو عیسائیت کی علمبردار تھی۔ ان روابط کے باعث شمالی عرب کے ان قبائل میں عیسائیت کو پنپنے کا موقع ملا۔ چنانچہ شام کو یمن سے ملانے والی شاہراہ پر' جو بحر قلزم کے ساحل کے ساتھ ساتھ گزرتی تھی' عیسائی راہبوں کی خانقاہیں پائی جاتی تھیں۔ عرب قبائل۔ جذام' عذرہ' بہراء اور بنو کلب کا علاقہ یہی تھا۔ مزید شمال میں بنو غسان آباد تھے جن کے ہاتھوں میں علاقے کی حکومت بھی تھی۔ عمومی طور پر یہ رومی سلطنت کے ماتحت تھے لیکن علاقہ کے انتظام میں خود مختار تھے۔ یمن کے قبیلہ قضاعہ کے کچھ خاندان بھی شمالی عرب میں آباد ہو گئے تھے اور ان سب میں عیسائیت کے اثرات پائے جاتے تھے۔

جنوبی عرب' جہاں یہود و نصاریٰ دونوں کا خاصا اثر تھا' ہجرت کے بعد کئی سالوں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اس لئے حاصل نہ کر سکا کہ اس کے رستے میں قریش حائل تھے اور مسلمانوں کی جماعتوں کے وہاں جانے میں خطرہ تھا کہ وہ گھیر لی جائیں گی اور غیر معمولی جانی نقصان ہوگا۔ اس کے برعکس شمالی عرب کے راستہ میں صرف یہود کے علاقے حائل تھے۔ چنانچہ اس علاقہ میں تبلیغی ٹیمیں بھی بھیجی جاتی رہیں اور قبائل کے ساتھ معاہدے بھی ہوئے۔ ربیع الاول 5 ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم لے کر دومۃ الجندل کے اہم شہر کو گئے جو شام اور عراق کی طرف جانے والے تجارتی رستوں کو کنٹرول کرتا تھا اور جہاں ایک عیسائی سردار اکیدر بن عبدالملک کی حکومت تھی۔ مدینہ میں یہ خبر پہنچی تھی کہ دومۃ الجندل میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کوئی فوج تیار ہو رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو ایسا کوئی اجتماع نہ تھا اور اگر تھا تو وہ آپ کی آمد سے قبل منتشر ہو چکا تھا۔ لہذا آپ نے اس سفر سے مختلف قبائل کے ساتھ روابط قائم کرنے کا فائدہ اٹھایا۔

اگلے سال حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ایک بھاری جمعیت کے ساتھ بنو کلب کے پاس بھیجا گیا۔ یہ لوگ کئی روز تک علاقہ میں تبلیغ کرتے رہے۔ بالآخر بنو کلب کے سردار الاصبغ بن عمرو نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے زیر اثر بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح کی ایک تبلیغی مہم ذات

اطلاع میں بھیجی گئی۔ اس کے سربراہ کعب بن عمیر الغفاری تھے اور اس میں صرف پندرہ آدمی شریک تھے۔ ان کی مڈ بھیڑ ایک جمعیت سے ہوگئی جس نے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کر دی۔ اس جنگ میں ایک کے سوا تمام مسلمان شہید ہوگئے۔

سریہ موتہ:۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد حالات ذرا سازگار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائی حکمرانوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں انھیں اسلام کی دعوت پیش کی اور خوشخبری دی کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے' ایک نصرانیت کو اختیار کرنے کا اور دوسرا پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانے کا۔ بصورت دیگر وہ نہ صرف خود ایمان نہ لانے کے گناہ گار ہوں گے بلکہ اس قوم کی گمراہی کے بھی ذمہ دار ہوں گے جس کے وہ سربراہ بنائے گئے ہیں۔ یہ خطوط رومی حکمران قیصر' مصر کے حکمران مقوقس اور دمشق کے گورنر حارث بن ابی شمر الغسانی کو بھیجے گئے۔ اسی طرح کا ایک مکتوب رومی حکومت کے اس گورنر کے نام بھیجا گیا جو بصریٰ میں تعینات تھا۔ یہ مکتوب لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حارثؓ بن عمیر الازدی جا رہے تھے کہ موجودہ جنوبی اردن میں واقع شہر موتہ کے مقام پر ایک غسانی سردار شرجیل بن عمرو نے ان کو قتل کر دیا۔ سفیر کا قتل ایک اشتعال انگیز واقعہ تھا جو رومی حکومت کی عمل داری میں پیش آیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حکومت کے اہل کاروں نے سنجیدگی سے نہیں لیا' اس لئے ضروری ہوگیا کہ آئندہ ایسے اقدامات کا راستہ روکنے کے لئے سخت قدم اٹھایا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا ایک لشکر تیار کیا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس کے امیر تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو بصریٰ رخصت کرتے وقت جو ہدایات دیں ان میں یہ بات بھی تھی کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر لشکر ہوں۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ کمان سنبھالیں۔ لشکر شام میں معان کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ آگے بہت بڑی تعداد میں رومی فوج جمع ہے اور عیسائی عرب قبائل لخم' جذام اور قضاعہ بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اہل لشکر کی ایک رائے یہ ہوئی کہ صورت حال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر کے نئے احکام لئے جائیں لیکن صحابہ کرام کا جذبہ ایمانی اس کو قبول کرنے میں مانع ہوا۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے رائے دی کہ اہل ایمان کبھی اپنی تعداد کے بل بوتے پر کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ فتح یاب ہو جائیں یا شہادت پالیں' یہ دونوں باتیں ان کے حق میں بہتر ہیں۔ لہٰذا انھیں دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ یہ رائے تسلیم کرلی گئی اور لشکر اپنی منزل پر پہنچ کر رومی افواج کے بالمقابل آگیا۔ موتہ کے مقام پر جنگ ہوئی تو اس میں تینوں کمانڈر۔ زید بن حارثہؓ، جعفر بن ابی طالبؓ اور عبداللہؓ بن رواحہ۔ یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے۔ اس کے بعد اہل لشکر نے حضرت خالدؓ بن ولید کو امیر مقرر کیا۔ انھوں نے لشکر کو نئی ترتیب دی اور بے جگری سے مقابلہ کیا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس جنگ میں اسکے ہاتھ میں نو

تلواریں ٹوٹ گئیں۔ جب مد مقابل کا دم خم ختم ہوا تو اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا لے گئے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس سریہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور خالد بن ولید کو مدینہ پہنچ کر لوگوں کے طعنے سننے پڑے۔ ایسا نہیں ہے۔ اگر فی الواقع مسلمان شکست سے دوچار ہوئے ہوتے تو رومی افواج ان کا تعاقب کر کے ان کو تہس نہس کر دیتیں۔ ان کا تعاقب نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں نے ان سے سخت مقابلہ کیا۔ نیز مسلمان جب مدینہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کیا اور خالد بن ولید کو جہاں شاباش دی' وہیں ان کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا فرمایا۔

سریہ موتہ کا مقصد کسی رومی علاقہ کو فتح کرنا تو تھا نہیں' اس مہم سے شمالی عرب میں اسلام کو ایک روبہ ترقی طاقت کی حیثیت سے منوانا مقصود تھا اور یہ مقصد حاصل ہوگیا۔ عرب قبائل کو پیغام ملا کہ خود عربوں کے اندر رومیوں سے ٹکر لینے والے پیدا ہو رہے ہیں اور ان کی جدوجہد سیاسی نہیں بلکہ دینی و اخلاقی ہے۔ رومیوں نے اگر اب تک اسلام کے حاملین کو اہمیت نہیں دی تھی تو اب ان پر واضح ہوچکا تھا کہ اگر ہم نے مسلمانوں کے معاملات میں انصاف سے کام نہ لیا تو معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے اور ایک بڑی طاقت ان کے آگے صف آرا ہو سکتی ہے۔

اگلے ہی سال مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومی حکومت کے ساتھ ہمدردی اور وفاداری نبھانے کی خاطر عیسائی قبیلہ قضاعہ اپنی قوت کو مجتمع کر رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو صحابہ پر مشتمل ایک جماعت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر کمان قضاعہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کی اور امیر لشکر کو ہدایت فرمائی کہ وہ رستے میں آنے والے قبائل بلی' عذرہ اور بلقین کے مسلمانوں سے مدد لیں۔ عمروؓ کو اطلاع ملی کہ مخالف لشکر کی تعداد زیادہ ہے۔ انھوں نے مدینہ منورہ سے مزید کمک طلب کی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح دو سو کا ایک لشکر لے کر فوراً پہنچے۔ ذات السلاسل کے مقام پر مقابلہ ہوا تو قضاعہ تتر بتر ہوگئے۔ یہ مہم بھی شمالی عرب کے عیسائی قبائل کو مرعوب کرنے کا باعث ہوئی۔

غزوہ تبوک:۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا عرب کے شمالی علاقے' جو موجودہ شام و اردن سے متصل تھے' رومی حکومت کے وفادار تھے۔ وہاں کے عرب قبائل کے سرداروں کی وفاداریاں بھی شاہ روم کے ساتھ تھیں۔ ان علاقوں میں اسلام کا اثر و نفوذ اور بعض سرداروں کا قبول اسلام ایسی چیز نہ تھی جس کو اس زمانہ کی سب سے طاقتور حکومت نظر انداز کر سکتی۔ ہرقل کو اس بات کا یقین تھا کہ اگر عرب میں ابھرنے والے یہ رسول وہی ہیں جن کی خبر سابق آسمانی صحیفوں میں دی گئی ہے تو ان کی فتح مندی نوشتہ تقدیر ہے اور وہ میری حکومت کو بھی روند ڈالیں گے۔ تاہم اپنے درباریوں اور عیسائی مذہبی رہنماؤں کے دباؤ کے باعث وہ دین اسلام کو قبول کرنے کا حوصلہ نہ کر سکا اور سیاسی مخالفت کی راہ اپنائی۔ شمالی عرب میں مسلمانوں کی کامیابیوں کی راہ روکنے اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے اس نے ۹ھ میں بڑی

تعداد میں افواج شام میں جمع کرنی شروع کر دیں۔ وہ مدینہ کی جانب پیش قدمی کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے وفادار قبائل لخم، جذام، غسان اور عاملہ کو ساتھ ملایا اور ہراول دستے بلقاء کو روانہ کر دیئے۔ اس کے عزائم کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گئی۔ آپؐ نے مقابلہ کے لئے شمالی عرب ہی کی سرزمین کا انتخاب کیا۔ چونکہ یہ علاقہ مدینہ سے بہت دور اور موسم سخت گرم تھا اس لئے غیر معمولی جنگی تیاریاں درکار تھیں۔ لہٰذا آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے مقدور کے مطابق سب کچھ پیش کر دیں۔ مالی اعانت کریں، اسلحہ فراہم کریں، سواریاں مہیا کریں اور بھرپور تیاری کے ساتھ اس جنگ کے لئے نکلیں۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان اس کو ایک سادہ مہم کے طور پر نہ لیں بلکہ اسلام اور مخالف اسلام قوتوں کے درمیان ایک معرکہ کے طور پر لیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل کا اثر خاطر خواہ ہوا۔ مخلص مسلمانوں نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر جہاد کے لئے خرچ کیا۔ اسی مہم کے سلسلہ میں روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گھر کی ہر چیز جہاد پر نچھاور کر دی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑا تو ان کا جواب یہ تھا کہ گھر میں اللہ اور اس کا رسول ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا عزم تھا کہ وہ اس مرتبہ انفاق فی سبیل اللہ میں حضرت ابوبکرؓ پر سبقت لے جائیں گے۔ وہ گھر کا نصف مال پیش کرنے آئے۔ جب سنا کہ حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا تمام مال و اسباب راہ خدا میں دے دیا ہے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ ابوبکرؓ سے سبقت نہیں لے سکتے۔ حضرت عثمانؓ نے، جن کی دریا دلی ایسے مواقع پر زیادہ جوش و جذبہ سے ظاہر ہوتی تھی، ایک تہائی لشکر کے لئے سرو سامان مہیا کیا۔ عورتوں نے جنگ کی تیاری کے لئے اپنے زیورات پیش کر دیئے۔ غریب سے غریب صحابہ، جو بمشکل اپنے لئے شام کی روٹی کماتے تھے، اس موقع پر پیچھے نہ رہے اور ذرا سے کھجور، جو اور ستو ہی انہوں نے زاد راہ کے لئے پیش کر دیئے۔ جن لوگوں کے پاس سواریاں نہ تھیں وہ جہاد کے جذبہ سے سرشار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواستیں لے کر آئے کہ آپ ان کے لئے سواری کا بندوبست کر دیں۔ چونکہ ممکنہ وسائل میں اس کی گنجائش نہ تھی اس لئے جب حضور معذرت کرتے تو یہ لوگ نہایت آزردہ خاطر وہاں سے لوٹتے۔ ان لوگوں کی حالت زار دیکھ کر بعض خوش حال صحابہ نے اپنے طور پر ان کی سواریوں کا بندوبست کر دیا لیکن اس کے باوجود بعض لوگ سفر پر روانہ ہونے سے محروم رہ گئے۔

جنگ پر نکلنے کا حکم ہر مسلمان کے لئے یہ تھا کہ انفروا خفافا و ثقالا (جنگ کے لئے نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بھاری) ہلکے اور بھاری کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا اطلاق امیر و غریب، مسلح و غیر مسلح اور سوار و پیادہ ہر شخص پر تھا۔ اس جنگ کے لئے دوسرے قبائل اور اعراب کو بھی متحرک کیا گیا تھا۔ لہٰذا اصل مطالبہ یہ تھا کہ ہر شخص اس نفیر عام میں اپنی خدمات پیش کر دے اور اس کی پروا نہ کرے کہ اس کے

پاس زاد راحلہ ہے یا نہیں۔ اپنے آپ کو پیش کر دینا اس کے اظہار وفاداری کے لئے کافی تھا۔ لیکن غزوہ کا زمانہ بہت سے لوگوں کے لئے فتنہ بن گیا۔ یہ موسم شدید گرمی کا تھا اور فصلیں تیار تھیں۔ ان کو سمیٹنے اور ذخیرہ کرنے یا ٹھکانے لگانے کا یہ بہترین وقت تھا۔ لوگ گرمی کا مقابلہ کر لیتے اور فصلوں کو سمیٹنے کا معاملہ بھی موخر کر لیتے، اگر مہم کسی قریبی علاقہ میں ہوتی۔ لیکن یہاں تو سینکڑوں میل کی مسافت درپیش تھی۔ دوسرے خطرات کے علاوہ محض جانے کے لئے مہینوں کا وقت درکار تھا۔ لہٰذا بہت سے مسلمانوں کی ایمانی کمزوری اور منافقین کی منافقت اس موقع پر ظاہر ہو گئی۔

ایک طبقہ تو ایسا سامنے آیا جس نے برملا یہ مشورہ دیا کہ شدت کی اس گرمی میں جنگ کے لئے نکلنا دانشمندی نہ ہوگی، لہٰذا مہم کو موخر کر دیا جائے۔ اگر اس وقت نکلنے پر اصرار کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ بہت سے مسلمان گرمی کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں نے رومی فوج کا خوف دلا کر لوگوں سے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تو یہ تک کہہ گزرا کہ اس موسم اور حالات کی تنگی میں جنگ کے لئے نکلنا اور رومیوں سے لڑنا کوئی کھیل نہیں۔ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ جو لوگ تبوک جائیں گے وہ زنجیروں میں جکڑ کر پہاڑوں میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اس گروہ کے لوگ مخلص مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کرتے رہے۔ لوگ جب جہاد کے لئے اپنی اعانت پیش کرتے تو اگر دینے والا زیادہ مال پیش کرتا تو یہ اس پر ریاکاری کا الزام لگاتے۔ اگر وہ کوئی غریب آدمی ہوتا تو یہ اس کے معمولی انفاق پر پھبتیاں کستے کہ اسے دیکھو یہ حاتم کی گور پر لات مارنے آیا ہے۔ بسا اوقات یہ لے اس قدر بڑھتی کہ خود اللہ اور رسول کے احکام پر یہ لوگ پھبتیاں کسنے لگتے۔ جب اس پر گرفت کی جاتی تو کہہ دیتے یہ کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی۔ ہم تو صرف آپس میں دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔

اس موقع پر یہ بات دیکھنے میں آئی کہ بکثرت لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے جنگ میں شرکت سے مستثنیٰ ہو جانے کی درخواستیں پیش کرنے لگے۔ وہ قسمیں کھا کھا کر اپنی مجبوریاں بیان کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ یہ سب بناوٹی باتیں ہیں لیکن آپ ان کو قبول فرما لیتے۔ ان لوگوں میں بکثرت وہ تھے جن کی منافقت پہلے بھی ظاہر ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کا رویہ قابل فہم تھا کہ وہ ایک پر مشقت سفر جہاد میں حصہ لینے کے لئے تیار نہیں اور چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت مل جانے کے بعد ان پر کوئی الزام بھی نہ لگایا جا سکے۔ ان میں سے بعض نے اپنی غیر حاضری کو دینداری کا تقاضا قرار دینے کی کوشش بھی کی۔ انہوں نے اپنے اہل سے طویل غیر حاضری کو اپنے ایمان و اخلاق کے لئے فتنہ کا باعث بتایا اور یہ ظاہر کیا کہ اس طرح وہ کسی گناہ کے مرتکب ہو جائیں گے۔ --- یہ سب وہ لوگ تھے جو صحت مند اور مالدار تھے اس لئے جہاد میں شمولیت کی استطاعت رکھتے تھے۔ ان کے سفر میں جو چیز رکاوٹ بنی وہ یہ تھی کہ مسافت بے حد زیادہ اور موسم شدید گرم تھا

اور مقابلہ رومی فوج سے متوقع تھا جو اپنے زمانے کی سب سے زیادہ منظم اور تربیت یافتہ فوج تھی اور جس نے تھوڑا عرصہ قبل فارس کی نہایت مضبوط فوج کو شکست دی تھی۔ نیز اس جنگ کے نتیجہ میں مال غنیمت حاصل ہونے کی توقع بھی زیادہ نہ تھی۔ اس صورت حال میں کون اپنے عیش و آرام کو مکدر کرتا۔ لہٰذا منافقین بالعموم عذر پیش کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جاتے اور جنگ سے رخصت کی اجازت لیتے رہے۔ البتہ انہوں نے یہ اہتمام کیا کہ دوران سفر کے حالات کی رپورٹیں لینے کے لئے سن گن کی خاطر اپنے آدمی ساتھ کر دیئے۔

غزوہ تبوک کے سلسلہ میں جو روایات نقل ہوئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ کے اہل کتاب، جنہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں زک اٹھائی اور جلا وطنی پر مجبور ہوئے تھے، رومیوں کو لڑائی پر آمادہ کرنے کا سبب بنے تھے۔ ان کے تعلقات وہاں کے مذہبی اکابر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے مذہب کے بچاؤ میں انہیں اپنا کردار ادا کرنے پر ابھارا۔ چونکہ یہ مذہبی رہنما شاہ روم کے ہاں خاصا اثر و رسوخ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے بادشاہ کو قائل کر لیا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی نصرت کے لئے اٹھے۔ مذکورہ اہل کتاب نے مدینہ کے منافقین کے ساتھ رابطوں اور اطلاعات کے تبادلہ کے لئے یہ سازش تیار کی کہ مدینہ کے مضافات میں ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا مقصد منافقین کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور ان کے ساتھ سازشوں کو مربوط کرنا تھا۔ پھر یہ مسجد مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کا موجب ہوتی اور کفار کے نمائندوں اور جاسوسوں کے لئے ایک مسکن کا کام دیتی۔ ان مصالح کے پیش نظر منافقین نے مسلمانوں کے دشمنوں کے اشارہ پر قبا کی بستی میں یہ مسجد تعمیر کی۔ انہوں نے اس دام ہم رنگ زمین کا وجود باقاعدہ تسلیم کرانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اس میں تشریف لائیں اور نماز پڑھا کر اس کا افتتاح کر دیں۔ چونکہ اس وقت جنگ کی تیاریوں کی ہماہمی تھی اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید مصروفیت کے باعث معذرت کر دی اور اس معاملہ کو تبوک سے واپسی تک مؤخر کر دیا۔

چونکہ جنگ میں شرکت ہر صحیح و سالم مسلمان مرد کے لئے ضروری قرار دی گئی تھی اس لئے اس سے پیچھے رہ جانا کسی کے لئے روا نہ تھا۔ تاہم بعض مخلص مسلمان بروقت لشکر کے ہمراہ نکل نہ سکے۔ ان کا خیال تھا کہ بعد میں لشکر کو جا لیں گے لیکن بعد میں سستی کے سبب سے یا دوسرے کاموں میں الجھ کر وہ آمادہ سفر نہ ہو سکے۔ ان میں سے بعض تو چند منزل بعد لشکر سے جا ملے لیکن باقی اس سے محروم رہے اور یوں ظاہری طور پر جنگ سے کترا کر گھر میں بیٹھ رہنے والوں کی طرح ہو گئے۔ ان میں تین قدیم الاسلام انصاری کعبؓ بن مالک، بلالؓ بن امیہ اور مرارةؓ بن ربیع بھی تھے جنہوں نے دین کے لئے ماضی میں بڑی قربانیاں دی تھیں لیکن اس موقع پر وہ بلا عذر محض سستی کے سبب بروقت لشکر میں

شامل نہ ہو سکے لیکن اپنی عظیم قربانیوں کے پیش نظر انہیں اپنی کوتاہی کا کچھ زیادہ احساس بھی نہ ہوا۔

مدینہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن ابی نے وہی حرکت کی جو اس سے قبل جنگ احد میں کر چکا تھا، یعنی وہ اپنا لشکر ساتھ لے کر باہر نکلا لیکن جب حضور نے کوچ کا حکم دیا تو وہ لشکر سمیت یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گیا کہ وہ اپنے لوگوں کو اس خطرے میں نہیں جھونکنا چاہتا۔ روایات کے مطابق جو لشکر تبوک پہنچا اس میں تیس ہزار سپاہی اور دس ہزار گھوڑے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی سرحد پر تین ہفتے انتظار کیا کہ رومی فوج مقابلہ پر آئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رومی سرحد پر آنحضرتؐ کی جنگ موتہ کے مقابلہ میں دس گنا زیادہ سپاہ کے ساتھ، دلیرانہ آمد نے رومیوں کے حوصلے پست کر دیئے اور انہوں نے مقابلہ پر نہ آنے ہی میں مصلحت سمجھی۔ ہو سکتا ہے کہ ہرقل کے دل میں یہ جو خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ رسول عربی بالآخر اس کا تخت شاہی چھین لیں گے اسی نے اس کو بے حوصلہ کر دیا ہو اور اس نے اقتدار کو مزید طول دینے کے لئے رسول اللہؐ کے مقابلہ پر آنے کا خطرہ مول نہ لیا ہو۔ بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں تین ہفتے قیام فرمایا اور اس دوران میں علاقہ میں کئی اہم سیاسی کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد لشکر کی واپسی کا اعلان کیا۔ یہ واپسی رمضان 9 ھ کو ہوئی۔

تبوک کے قیام کے دوران حضورؐ نے خالد بن ولیدؓ کو دومۃ الجندل پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ وہاں کے عیسائی حکمران اکیدر نے ہتھیار ڈال دیئے اور امان کا طالب ہوا۔ خالدؓ اسے گرفتار کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے تو آپ نے جزیہ عائد کر کے اس سے صلح کا معاہدہ کر لیا اور اسے امان کی تحریر لکھ دی۔ دومۃ الجندل کی اہمیت یہ تھی کہ یہ مقام شام اور عراق دونوں کے راستوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ شمالی عرب کے دوسرے حکمران خوف زدہ تھے۔ یہ بادشاہ بازنطینی ریاست کے باجگزار تھے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں سے صلح کو ترجیح دی اور بازنطینی حکومت کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ شاہ ایلہ، یحنہ بن روبہ، جرباء اور اذرح کے علاقوں سے ایک وفد لے کر خود حاضر خدمت ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جزیہ عائد کیا اور صلح نامہ لکھ دیا۔ ابوعبید کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے قیصر روم کو ایک اور مکتوب بھجوایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو جو مراعات دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ تمہیں بھی حاصل ہوں گی اور جو واجبات ان پر شرعی طور پر عائد ہوتے ہیں وہی تم پر بھی عائد ہوں گے۔ اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو پھر جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لو۔ بصورت دیگر اپنے عوام اور اسلام کے درمیان حائل ہونے کی کوشش نہ کرو۔ انہیں اس بات کا اختیار ہو کہ وہ اسلام میں داخل ہونا چاہیں تو داخل ہو سکیں ورنہ جزیہ پر معاملہ کر لیں۔ ظاہر ہے اس وقت کی یہ عظیم سلطنت عربوں کی قیادت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا اس مکتوب نبوی کا کوئی

جواب نہ دیا گیا۔ اگر کوئی جواب آتا تو تاریخ میں اس کا تذکرہ موجود ہوتا۔

تبوک کی اس مہم نے شمالی عرب کی ریاستوں اور ان سے باہر رومی علاقے پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ چنانچہ شام کے متعدد قبائل اور عراق کی سرحد کے قریب آباد بنو بکر بن وائل اور بنو تغلب نے جلد اسلام کے ساتھ زکوۃ سے دوگنا جزیہ پر صلح کا معاہدہ کر لیا۔

تبوک کے سفر کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے ساتھ معاملہ میں نرمی کی روش چھوڑنے اور سخت گیری سے کام لینے کا حکم دیا گیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ اس مہم نے مخلص مسلمانوں اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے مفادات کی خاطر چمٹے ہوئے لوگوں کے درمیان فرق کو نہایت واضح کر دیا ہے اور اب معاملہ اسی بنیاد پر آگے بڑھے گا۔ انہی ہدایات کی روشنی میں آپ نے واپسی کے سفر میں مدینہ کے قریب پہنچ کر صحابہ کو حکم دیا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں' نہ کسی منافق سے بات کی جائے اور نہ ان کی مجلس میں شریک ہوا جائے۔ چنانچہ مدینہ کے قریب ذی اوان کے مقام پر جب منافقین استقبال کو آئے تو لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے عاصم بن عدی العجلانی اور مالک بن الدخشم السالمی کو منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کو ڈھا دینے اور ملبہ کو آگ لگا دینے کی ذمہ داری سونپی تاکہ سازشیوں کا یہ اڈا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس طرح دشمنان اسلام کا یہ مورچہ زمین بوس ہو گیا۔ اسی طرح مخلص مسلمانوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے حضورؐ نے نہایت سرد مہری کا معاملہ کیا جس کی ندامت کے باعث ان کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ ان میں سے بعض نے اظہار ندامت اور طلب عفو کے لئے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا اور عزم کیا کہ معافی ملنے پر ہی وہ خود کو آزاد کریں گے۔ مذکورہ بالا تین قدیم الاسلام صحابہ' جن کا معاملہ معرض التوا میں تھا' کا معاشرتی مقاطعہ کیا گیا اور جب تک ان کے دلوں میں سوز و گداز نہیں پیدا ہوا انہیں معافی نہ ملی۔ اس موقع پر توبہ و استغفار کے متمنی صحابہ نے اپنی توبہ کی قبولیت کے لئے غیر معمولی قربانی پیش کرنے کی نظیر بھی قائم کی۔ ایک صحابی ابولبابہؓ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ میں اس گھر کو اللہ کی راہ میں چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہوں جس کے آرام و آسائش نے مجھے جہاد میں نکلنے سے روکا۔ نیز اپنا تمام مال اللہ اور رسول کے حوالہ کرتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا' نہیں صرف اپنا ایک تہائی مال اللہ کی راہ میں پیش کرو اور اپنی کوتاہی کی توبہ کرو۔

مدینہ کے گردونواح کے دیہاتیوں میں سے بعض نے کسی عذر معذرت کی ضرورت ہی نہ سمجھی لیکن دوسرے بہانہ سازی کرتے اور اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ منافقین میں سے جو لوگ صفائی پیش کرنے آئے انھیں بتایا گیا کہ ہمیں تمہاری باتوں کا یقین نہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے آگاہ کر دیا ہے کہ تمہارے عذر لایعنی ہیں۔ وہ قسمیں کھا کر یقین دلاتے لیکن ان سے کہا گیا کہ آئندہ

تمہاری روش نگاہ میں رکھی جائے گی اور تمہاری وفاداری کا ثبوت تمہارا عمل مہیا کرے گا۔ ایسے لوگوں کو' جن کا نفاق بالکل واضح تھا' کسی رعایت کا مستحق نہیں گردانا گیا۔ ان کے متعلق یہ ہدایت تھی کہ مدینہ واپسی پر آئندہ کسی مہم میں وہ ساتھ دینے کی پیشکش بھی کریں تو ان کو اس کی اجازت نہ دی جائے۔ ان پر یہ بات واضح کر دی جائے کہ تبوک کی مہم کے لئے نفیر عام کے دوران جب تم گھروں میں بیٹھ رہنے پر قانع رہے تو اب تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔ اب ہمیں اپنے کسی دشمن کے خلاف جنگ میں تمہاری شرکت گوارا نہیں۔ وہ لاکھ صفائیاں پیش کریں گے اور قائل کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے لیکن انہیں بتانا کہ اللہ تمہاری کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے اور اس نے ہمیں بھی ان سے آگاہ کر دیا ہے' لہٰذا ہم تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتے۔ اب تمہارا رویہ خود ہی اللہ کے حضور ناطق ہوگا۔

فی الجملہ بدطینت منافقین کی غزوہ تبوک میں عدم شرکت کا نقد فائدہ مسلمانوں کو یہ ہوا کہ اس سفر کے دوران اس طرح کا فتنہ نہ اٹھایا جا سکا جو پہلے کئی مہموں کے دوران اٹھایا گیا تھا اور مہاجرین اور انصار کے درمیان تلواریں سونت لینے کی نوبت آ گئی تھی۔ ان کے کچھ جاسوس تو ضرور لشکر کے ساتھ تھے لیکن اپنی باقی جمعیت کے بغیر وہ کوئی فتنہ برپا کر کے اپنے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ سامنے آیا کہ ہر طرح کے منافقین بالکل بے نقاب ہو گئے۔ ان کے لئے آئندہ کی پالیسی اتنی سخت تھی کہ ان کے لئے منہ چھپانا بھی ممکن نہ رہا چہ جائیکہ وہ پہلے کی طرح دوغلی پالیسی پر گامزن رہتے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہتے۔ غزوہ تبوک کا تیسرا بڑا فائدہ اس صورت میں سامنے آیا کہ نادان لیکن مخلص مسلمانوں کے کردار کی کمزوریاں بھی سامنے آ گئیں اور ان کا تدارک ممکن ہوا۔ اس موقع پر بے لاگ محاسبہ کے عمل نے قدیم الاسلام مسلمانوں کی آنکھیں بھی کھول دیں۔ انہوں نے اپنی کمزوریوں کا جائزہ لیا اور اپنی اصلاح کی۔ اسی طرح بدو مسلمانوں کو احساس ہوا کہ انہوں نے دین سیکھنے کے لئے خاطر خواہ اہتمام نہیں کیا اور محض مسلمانوں میں نام لکھوا کر یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے اپنا دینی حق ادا کر دیا حالانکہ دین کے اعلیٰ تقاضے اور تھے اور ان کو پورا کئے بغیر وہ دین کی کوئی خدمت کرنے پر قادر نہ تھے۔ غزوہ تبوک کے یہ فوائد تو داخلی محاذ پر تھے' خارجی محاذ پر اسلام کی دعوت شمالی عرب میں دور دور تک پھیل گئی۔ وہاں کے عرب قبائل اسلام کی طرف راغب ہوئے' رومیوں کے ہاتھوں دبائے ہوئے عوام کو ایک متبادل سیاسی قوت نظر آنے لگی' جو آئندہ کسی بھی وقت رومیوں کے اقتدار کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی' اور یہ عوام رومیوں کے جبر و استبداد سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ان سے توقع وابستہ کر سکتے تھے۔

خلیل الرحمن چشتی

تفسیر تدبر قرآن کی امتیازی خصوصیات

"تدبر قرآن" مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی عظیم الشان تفسیر ہے جو نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اردو زبان میں کلام اللہ کی متعدد تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ اس اعتبار سے بیسویں صدی عیسوی اور چودھویں صدی ہجری نہایت مالا مال ہے۔ تدبر قرآن ان تمام میں منفرد اور اچھوتی شان رکھتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں تفسیر کی چند خصوصیات کا اجمالی جائزہ مقصود ہے۔

1- تدبر قرآن کی پہلی اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تفسیر قرآن مجید کے متن کے اردگرد گھومتی ہے' اور گھوم پھر کر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ بعض افراد معلومات کی کثرت' اعداد و شمار کے انبار اور مختلف آراء کے تفصیلی ذکر کے شیدائی ہوتے ہیں۔ انہیں ایک خاص قسم کی تحریریں مرغوب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور ضخیم تفسیر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "اس تفسیر میں سب کچھ موجود ہے سوائے تفسیر کے۔" اس کے بالکل برعکس تدبر قرآن کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ "اس میں تفسیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

2- تدبر قرآن کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی انگلی پکڑ کر چلتی ہے۔ وہ جگہ جگہ سوال اٹھاتی ہے کہ یہاں یہ لفظ کیوں استعمال کیا گیا اور یہ حرف کیوں آیا ہے۔ شروع سے آخر تک ہر مشکل مقام پر ٹھہر کر دعوت تفکر و تدبر دیتی ہے۔ اس طرز تفسیر سے بے شمار چھپے گوشوں کے روشنی میں نہا جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

3- تدبر قرآن کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کلام بلاغت نظام کے محذوف حصوں کو کھولتی ہے۔ حذف کے متعلق اصول کی کتابوں اور دیگر تفسیروں میں بھی کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی الفوز الکبیر میں ان کی چند ایک مثالیں پیش کی ہیں۔ لیکن تدبر قرآن میں جو التزام اول سے آخر تک پایا جاتا ہے وہ ان کے ہاں ناپید ہے۔ کبھی مبتدا' کبھی خبر' کبھی ظرف' کبھی مظروف' کہیں صفت' کہیں موصوف' حذف ہوتے ہیں تو اس میں سب کی وضاحت موجود ہے۔ عربی ادب کے اعلیٰ ذوق کے بغیر یہ مشکل کام ہرگز سر انجام نہیں ہو سکتا تھا۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(i) لکیلا تاسوا علی مافاتکم (حدید 23) یہاں لکی سے پہلے کچھ حذف ہے۔
(ii) والذین تبوؤا الدار والایمان (سورہ حشر) یہاں الایمان کا فعل محذوف ہے۔
(iii) یشربون من کاس (الانسان) یہاں کاس کا معنی مظروف ہے۔

مولانا مرحوم کے کوئی لائق شاگرد' اس کام کا بیڑہ اٹھائیں اور تمام محذوف مقامات کی نشاندہی کر دیں اور ان کو ایک منطقی ترتیب کے ساتھ مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیں تو یہ ہم جیسے ابتدائی طالب علموں کے لئے نہایت مفید ہوگا۔

4- تدبر قرآن کی چوتھی خصوصیت قرآن مجید کے اعراب کی وضاحت ہے۔ جگہ جگہ مولانا اصلاحی بتاتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ کیوں منصوب ہے؟ اور دوسری جگہ کیوں مجرور ہے؟ "ماھن امھتھم" (المجادلہ 2) کی تفسیر میں مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہاں ما معنی میں لیس کے ہے اس لئے اس کا اعراب منصوب ہے۔ قافیہ کی رعایت سے اگر کوئی حرف بدل دیا گیا یا حذف کر دیا گیا ہے تو اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

5- تدبر قرآن کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ عربیت کے مختلف اسالیب سے واقف کراتی ہے۔ مثلاً وما انا بظلام للعبید (اور میں اپنے بندوں کے لئے ظلام نہیں ہوں۔) کی تاویل بعض مفسرین نے یوں کی ہے کہ اگر اللہ ظالم ہوتا تو بہت بڑا ظالم ہوتا لیکن وہ ایسا نہیں ہے۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ "جب مبالغے پر نفی آتی ہے تو مقصود مبالغہ فی النفی ہوتا ہے۔" یعنی "میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔"

پھر مولانا نے تائید میں شعرائے جاہلیت میں سے امرء القیس کی ترکیبیں بیان کی ہیں اور قرآن کی دیگر آیات پیش کی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے ظلم کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح کی بے غبار چیزیں جب نظر سے گزرتی ہیں تو بے اختیار دل عش عش کر اٹھتا ہے اور مولانا کے لئے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین۔

6- تدبر قرآن کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآن کی ترجمانی کا فن سکھاتی ہے۔ ترجمہ سیکھنے کے لئے اور کتابیں بھی مفید ہیں۔ تدبر سے بھی اس میں جگہ جگہ رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن ترجمانی کا فن اس سے بڑھ کر ہے۔

اردو زبان میں ترجمانی کے خاص طرز سخن کی ایجاد کا سہرا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے سر ہے۔ تدبر قرآن میں بھی یہی انداز کار فرما ہے۔

سورہ طور کی آیت نمبر 21 میں آیا ہے۔

والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم کی ترجمانی مولانا مودودیؒ نے یوں کی ہے۔

"جو لوگ ایمان لائے ہیں' اور ان کی اولاد بھی جو کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے' ان کی اس اولاد کو بھی جنت میں ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے۔"

یہاں "ایمان" کی ترجمانی "کسی درجے میں ایمان" سے کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں۔ "لفظ ایمان کی تنکیر سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کے مدارج ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے ان کی اولاد کے درجے کو اونچا کرے گا۔"

7- تدبر قرآن کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں کسی آیت کی تشریح میں کسی غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے جغرافیائی یا سائنسی معلومات کی ضرورت محسوس کی گئی' وہاں وہ فراہم کردی گئی لیکن یہ چیز یہاں بقدر ضرورت ہی ہے۔

سورہ رحمٰن کی آیت یخرج منھا اللؤلؤ والمرجان (رحمٰن 22) کے سلسلے میں مفسرین کے اعتراض کہ مونگے اور موتی تو صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں اور قرآن نے منھما کا تثنیہ کیوں استعمال کیا ہے؟ کا جواب دیتے ہوئے مولانا اصلاحیؒ نے انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں 'موتی' کے عنوان سے لکھے گئے مضمون کا حوالہ دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ موتی اور مونگے میٹھے اور کھاری دونوں قسم کے دریاؤں سے نکالے جاتے ہیں۔ انگلستان کے دریا کون وے' ٹلے اور سفے کے علاوہ امریکہ کے دریا مسی سپی سے بھی' جو تمام میٹھے پانی کے دریا ہیں' موتی نکالے جاتے ہیں۔

اسی طرح اسی سورہ رحمٰن کی آیت نمبر 35 میں لفظ "نحاس" کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لفظ اپنے معروف معنی ہی میں استعمال ہوا ہے' اور شہادت کے طور پر یہ بات پیش کی ہے کہ جدید تحقیقات کی روشنی میں شہابیوں کے اندر لوہے اور پتھر کے علاوہ کانسی اور تانبے کے اجزاء بھی پائے گئے ہیں۔

8- تدبر قرآن کی آٹھویں خصوصیت تفسیر کے لئے روایات کے بے موقع استعمال سے گریز ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عام تفاسیر میں والفجر کی تفسیر میں نماز فجر اور والعصر کی تفسیر میں نماز عصر کی فضیلت کی احادیث اور والزیتون کی تفسیر میں زیتون کے پھل اور زیتون کے تیل کے فوائد کی باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ یہ باتیں اپنی جگہ صحیح ہوتی ہیں' لیکن قرآنی مقام سے اس کا تعلق بہت کم ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا۔

اس کی نہایت خوبصورت مثال سورہ طور کی چوتھی آیت والبیت المعمور کی تفسیر ہے۔ مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک بیت معمور سے مراد زمین ہے۔

اس طرح کی مثالوں سے ایک اہم تفسیری اصول ہمارے ہاتھ یہ آتا ہے کہ صحیح اور مستند روایات کی بے جوڑ پیوند کاری سے بھی تفسیر کو آزاد ہونا چاہیے۔

9- تدبر قرآن کی نویں خصوصیت جملوں کے دروبست اور طرز کلام سے خفی معانی کی دریافت ہے۔ یہ حذف اور وضاحت اسالیب' جن کا ذکر ہم نے نمبر 3 اور نمبر 5 کے تحت کیا ہے' سے

ایک گونہ مختلف چیز ہے۔ اس کی عمدہ مثال سورہ بقرہ کی آیت نمبر 281 ہے' جس میں مولانا اصلاحیؒ نے وان کان ذوعسرۃ سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ اہل عرب میں تجارتی سود رائج تھا اور خوش حال لوگ تجارتی اغراض کے لئے بھی سود پر قرض لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مولانا اصلاحی نے اپنے استاد حضرت حمید الدین فراہیؒ کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

10- تدبر قرآن کی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر قسم کے کلامی' مسلکی اور فقہی تعصبات سے بالکل پاک ہے۔ اساتذہ پرستی اور تقلید جامد کے ماحول میں یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے استاد سے بے پناہ عقیدت' محبت' وابستگی اور والہانہ التفات کے باوجود لائق شاگرد نے انتہائی شائستگی کے ساتھ امام اور استاد کی رائے تحریر کرکے اپنی رائے بھی پیش کر دی ہے۔ یہ ایک کامیاب ہنر ہے' جس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

11- تدبر قرآن کی گیارہویں خصوصیت اس کی زبان ہے۔ جو شخص اردو ادب کا اعلیٰ پائے کا ذوق رکھتا ہے' وہ اس کی چاشنی سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قرآن کی تمثیلوں' تشبیہات اور استعاروں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے جس ہنر کی ضرورت تھی' خود اس پر بھی قرآنی رنگ اثر انداز ہوا ہے۔

عربی' فارسی اور ٹھیٹ ہندی الفاظ کا یہ مخصوص آمیزہ محاوروں' ترکیبوں اور روزمرہ کے ساتھ ساتھ انشاء پردازی کی شوکت سے بھی مالا مال ہے۔ دراصل یہ حالی و شبلی کے طرز کی ایک حسین توسیع ہے' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کا اپنا الگ طرز تحریر ہے اور آسمانی کتابوں کی تمثیلات کے اثر نے بھی اپنا جادو جگایا ہے۔

12- اس کی بارہویں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول سے صرف نظری طور پر بحث نہیں کی گئی بلکہ عملاً جگہ جگہ اس اصول کو برتا گیا ہے۔ علامہ شنقیطی کی عربی تفسیر کے مقابلے میں اس کو پورے اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

13- اس کی تیرھویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتی ہے۔ مفسر قرآن اپنے ذوق کا تابع نہیں بلکہ قرآنی ذوق کا تابع ہے۔ اس سے جو فکر نمودار ہوتی ہے وہ مقامی نہیں بلکہ عالمی ہے۔ عقائد' معاشیات' باطل ادیان' سماجیات' فلسفہ معاشرت' سائنس' اصلاح نفس' عبادات' اجتماعی عدل غرض مفسر سب کا ادراک رکھتا ہے اور قدیم و رائج الوقت ہر اس نظریے' فلسفے اور رجحان پر تنقید کرتا ہے جو قرآنی فکر سے ہم آہنگ نہیں ہے اور مختلف النوع باتوں کے اندر ایک نظم اور تسلسل کو دریافت کرکے ایک مربوط نظام کی حیثیت سے پیش کرتا

ہے۔ اللہ کا کلام بھی مربوط ہے' اس کی کائنات بھی اور اس کا بھیجا ہوا دین بھی۔

14- اس کی چودھویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ایک ایک بات کامل اعتماد' چھان پھٹک اور سوچ بچار کے بعد کہی گئی ہے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ "یہ بھی ممکن ہے۔" اور "ایسا بھی ہو سکتا ہے" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں۔ مفسر نے کسی مرعوبیت کے بغیر' عمیق تدبر کے بعد' پورے شرح صدر اور اطمینان قلب کے ساتھ جو بات صحیح سمجھی ہے وہ بلا خوف مصلحت بیان کر دی ہے۔

15- اس کی پندرھویں خصوصیت تفسیر کی بلند آہنگی ہے۔ جس طرح آپ مختلف شعراء کے دیوانوں کے مطالعے کے بعد کلام اقبال کا مطالعہ کرتے ہیں تو اپنے آپ کو ایک نئی اعلیٰ اور ارفع دنیا میں محسوس کرتے ہیں' بعینہٖ تدبر قرآن کے مطالعے کے بعد قاری محسوس کرتا ہے کہ مفسر اسے نئے آفاق میں لئے جا رہا ہے۔ اگرچہ اس کتاب میں حوالے نہیں دیئے گئے' لیکن مفسر نے بے شمار موضوعات پر مطالعہ کر کے ان کے بارے میں نظریات کا خلاصہ پیش کر دیا ہے اور پھر ان پر تنقید کی ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ تدبر قرآن ایک ایسا منفرد تفسیری کارنامہ ہے جس سے کوئی مترجم اور مفسر' جو قرآن پر تحقیقی کام کرنا چاہتا ہو' بے اعتنائی اختیار نہیں کر سکتا۔

مولانا اصلاحیؒ نے 1957ء میں 53 سال کی عمر میں یہ کام شروع کیا جو 23 سال بعد 1980ء میں اختتام پذیر ہوا۔ اگر مولانا اوائل عمری سے اس کام کو شروع کرتے تو شاید یہ تفسیر حوالہ جات سے بھی مزین ہوتی' لیکن اس کے باوجود اس میں وہ دبدبہ اور طنطنہ ہے جسے پیری کا ولولہ اور خزاں کی بہار کا نام دیا جا سکتا ہے۔

مولانا اصلاحیؒ ایام شباب ہی سے تہجد گزار تھے۔ وہ فہم قرآن کے لئے تہجد کو ناگزیر خیال کرتے تھے۔ ان کی یہ نماز تفکر اور تدبر کے لئے وقف ہوتی تھی۔ مولانا اصلاحی نے 93 برس کی طویل عمر پائی اور وقت تہجد ہی میں انتقال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے' اعلیٰ درجات عطا فرمائے اور آئندہ نسلوں کو ان کے علمی فیوض سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں یہ بات لکھنی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ جدید تعلیم یافتہ افراد کے لئے تدبر قرآن سے بھرپور استفادے کے لئے تدبر قرآن کے مطالعے سے پیشتر کسی اور تفسیر کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بہتر چیز مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن ہے۔ علاوہ ازیں عربی زبان اور عربی قواعد سے تھوڑی بہت ہی سہی واقفیت ضروری ہے' ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ اس حصے سے ابتدا ہی میں اکتاہٹ محسوس کرے اور اس عظیم نعمت سے محروم ہو جائے۔

(بشکریہ ماہنامہ "مشکوۃ المصباح" لاہور)

محبوب سبحانی

نظریہ ارتقاء

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ تقریباً پانچ چھ ارب سال پہلے زمین گیس کی صورت میں تھی' پھر سیال ہوئی اور پھر اوپر سے ٹھوس ہو گئی۔ اس کے ٹھوس ہونے کے دو نتائج بیک وقت رونما ہوئے۔ ایک یہ کہ زمین سخت ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ایک مناسب دور میں اس پر جاندار اپنا مستقر و مقام بنا سکیں اور دوسرے یہ کہ اس پر نشیب و فراز پیدا ہو گئے جنہیں ہم پہاڑ' جھیلیں اور وادیاں کہتے ہیں۔ پہلے زمین بالکل خشک تھی اور اس پر جھیلوں' سمندروں اور دریاؤں کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پر حرارت اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے بخارات آبی شکل اختیار نہیں کر پاتے تھے۔ بعد میں جب وہ ذرا ٹھنڈی ہوئی تو قطرات آبی' پانی کی صورت میں زمین پر برسنے لگے۔ لیکن برستے ہی وہ بخارات میں تبدیل ہو جاتے تھے۔ مدت بعد زمین کی حرارت اس قدر کم ہو گئی کہ اس پر پانی جمع ہونے لگا اور سمندر اور جھیلیں پیدا ہو گئیں۔ سمندر کے کناروں پر کیچڑ تھا' جو کبھی سوکھ کر کھنکھناتی مٹی ہو جاتا اور کبھی پھر سمندر کے مد و جزر سے تر ہو جاتا تھا۔ مدت تک تر رہنے کی وجہ سے اس میں خمیر پیدا ہو گیا۔ یہ اٹھی ہوئی اس کیچڑ میں زندگی کے اولین آثار پیدا ہوئے' جن کی ترقی سے بعد میں جانداروں کی مختلف انواع وجود میں آئیں۔ ان میں سے ایک نوع' جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے' انسان ہے۔ زندگی کے ظہور کی ترتیب میں سب سے پہلے نباتات آتی ہیں' اس کے بعد حیوانات کے مختلف گروہ جن میں مچھلیاں اور سمندری جانور شامل ہیں' اس کے بعد پرندے اور زمین پر چلنے والے حیوانات وجود میں آئے۔ حیوانات کے بعد انسان وجود میں آیا۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ انسان کے ظہور کے بعد بھی ارتقاء جاری ہے' جو حیاتیاتی نوعیت کا نہیں' بلکہ اس کی نوعیت ذہنی اور نفسیاتی ہے۔ اس ارتقاء کے ساتھ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کامل سے کامل تر ہوتی جائے گی۔

زندگی کے ارتقا کی رائے کو ڈارون نے مدلل طریقہ سے پیش کیا۔ اس نے کہا کہ زندگی کی اعلیٰ حالتیں ادنیٰ حالتوں سے متواتر پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں ایک تسلسل ہے' جس کے اس نے شواہد بھی پیش کئے ہیں۔ اس نے ارتقاء کا سبب قدرت کی بے مقصد کارروائیوں کو قرار دیا' جن کو اس نے کشمکش حیات' قدرتی انتخاب اور بقائے اصلح (Survival of the Fittest) کا نام دیا۔ اس نظریہ کا یہ اثر ہوا کہ انسان کی ذہنی و جسمانی ساخت کو حیوان کی ذہنی اور جسمانی ساخت کی ترقی یافتہ صورت قرار دیا گیا۔ اس [illegible] میں دو گروہ پیدا ہوئے۔ ایک گروہ انسانی شخصیت کی بلند ترین اور اعلیٰ ترین خصوصیات

عقل و ادراک، غور و فکر، تخیل، قوت امتیاز و فیصلہ، سیکھنے کی صلاحیت، اخلاقی، سماجی، سیاسی اور دوسری صلاحیتوں حتیٰ کہ مذہبی جذبات کو بھی ۔۔۔۔۔۔ ہاتھیوں، بندروں، کتوں، چیونٹیوں اور مکھیوں میں ثابت کرتا ہے۔ یہ گروہ جبلت کی بنیادی تشریحات کو تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اس کا کہنا ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کے اندر پہلے ہی سے موجود ہے۔ دوسرا گروہ انسان کو حیوان کی سطح پر لاتا ہے، وہ عقل کی تشریح حس و ادراک سے کرتا ہے اور قوت ارادی کو خواہش سے اور اخلاقی اور اجماعی اقدار کو سابقہ عضویاتی کیفیتوں اور خاص حیوانی نفسیاتی اعمال سے اخذ کرتا ہے، یعنی وہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے اندر موجود پاتا ہے۔

ڈارون نے شواہد کے ذریعہ سے ارتقا میں ایک تدریج اور تسلسل ثابت کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ اس کے تمام شواہد مہیا نہیں کر سکا۔ اس کا کہنا ہے کہ بعد میں تحقیق سے گمشدہ کڑیاں بھی مل جائیں گی۔ خاص طور پر بن مانس سے انسان تک کے ارتقا کے درمیان کی زنجیر کی گمشدہ کڑیاں وہ نہیں پیش کر سکا اور نہ ہی اب تک کی تحقیق سے وہ کڑیاں مل سکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے سائنسدانوں نے ارتقا کے تسلسل کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ارتقا وقفہ وقفہ سے ہوا ہے (Punctuated Evolution) وقفہ کے بعد ایک نئی نوع نے جنم لیا۔ ایسا کیونکر ہوا، اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے، وہ صرف یہ کہہ کر دامن چھڑا لیتے ہیں کہ یہ خودبخود ہوتا رہا ہے۔

ماہرین حیاتیات ارتقا کا جو نظریہ پیش کرتے ہیں وہ خود سائنس کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ ان کا کہنا ہے کہ زندگی کا ارتقا بے جان مادہ سے ہوا لیکن عظیم سائنسدان نیوٹن نے حرکت کے جو تین کلیات پیش کئے ہیں، ان میں سے پہلے کلیہ کے مطابق کوئی بے جان چیز خارجی عمل کے بغیر اپنی حالت تبدیل نہیں کر سکتی۔ ماہرین ارتقا یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ بے جان مادہ میں حرکت کس طرح پیدا ہوئی۔ اس کے جواب میں بعض ماہرین کہتے ہیں کہ یہ ازخود اور محض اتفاق سے ہوا۔ بعض محرک اول کو مانتے ہیں، جس نے مادہ میں حرکت پیدا کی، بعد میں مادہ خود ارتقا کے سفر پر چل نکلا۔

ارتقا کے متعلق ایک سوال یہ ہے کہ اس کا سبب کیا ہے۔ ڈارون کے نزدیک ہر جاندار ایک وحدت کی حیثیت رکھتا ہے، اور اپنے اجزا کے لحاظ سے حیرت انگیز طور پر اپنے مقاصد کے لئے خود زندہ رہنے اور اپنی نسل برقرار رکھنے کے لئے موزوں ہے۔ یہ حیرت انگیز طور پر کیسے موزوں ہو گیا، اور اس میں اپنی نسل برقرار رکھنے کا داعیہ کیسے پیدا ہو گیا؟ یہ سوالات بھی تشنہ جواب ہیں۔ مزید برآں ماہرین حیاتیات کا کہنا ہے کہ سب سے پہلا جاندار امیبا ہے، جو سب سے سادہ اور صرف ایک جاندار خلیہ پر مشتمل ہے۔ وہ اس میں کسی اور جزو کی نشاندہی نہیں کرتے۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ امیبا ازخود دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور یہ تقسیم در تقسیم کا سلسلہ جاری رہا، جس سے ترقی کر کے ایسی انواع بنیں، جو بے شمار خلیوں پر مشتمل تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امیبا کے اندر ہی اپنی تعداد بڑھانے کا داعیہ موجود تھا۔ ایسا

کیونکر ہوا اس کا ماہرین ارتقاء کے پاس کوئی جواب نہیں۔ وہ اس کو صرف اتفاقات یا حادثات کی کارفرمائی قرار دیتے ہیں۔ بعض ماہرین ارتقا کا خیال ہے کہ سب سے پہلا جاندار وائرس ہے جو بعد میں بیکٹیریا میں تبدیل ہو گیا، پھر یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ مزید برآں ماہرین ارتقا کا کہنا ہے کہ ہر جاندار کا وجود مقاصد حیات کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتا ہے، لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ناسازگار ماحول اور تخریبی کارروائیوں سے جاندار میں یہ حیرت انگیز موزونیت کیونکر پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈارون اس معاملہ میں بھی خاموش ہے کہ جسم حیوان میں تغیرات کیوں نمودار ہوتے ہیں، حالانکہ ارتقائے انواع کی اصل تغیرات ہیں۔ کیا ایسا محض اتفاق سے ہوتا ہے یا یہ کسی اندھی بہری قوت کا کرشمہ ہے یا اس کے پیچھے کسی حکیم، قدیر اور مدبر کا ارادہ کارفرما ہے؟ نیز یہ کہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بعض جانوروں میں کروڑوں سال سے کوئی جسمانی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ وہ پہلی حالت میں ہم تک پہنچے ہیں۔ ان میں مشرقی افریقہ کے سمندر میں پائی جانے والی مچھلی لیٹی میریا کالمنی (Latimeria Chalamnae) نیوزی لینڈ میں پائی جانے والے چھپکلی کی طرح کا ایک جاندار سفینوڈون (Sphenodon) اسی طرح نیوگنی کا کیکڑا کنگ کریب (King Crab) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے جاندار ہیں، جن میں کوئی خاص جسمانی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اس لئے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ بعض حیوانوں میں تغیرات کیوں ہوئے اور بعض میں کیوں نہیں ہوئے؟

بعض سائنسدان ارتقا میں تسلسل کے قائل نہیں۔ مثال کے طور پر ڈی وری (De vries) کا کہنا ہے کہ ایک نوع سے دوسری نوع کا ظہور فوری تبدیلی سے ہوتا ہے اور بہت سی چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں سے نہیں ہوتا۔ ان فوری تبدیلیوں کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ خود حیوان کے اندر ایک ایسا محرک موجود ہے جو اس کو ارتقا کی ایک خاص منزل کی طرف بڑھنے کے لئے اکساتا ہے۔ اسی طرح آئیمر (Eimer) کا کہنا ہے کہ جاندار کے وجود کی ترقی یافتہ تنظیم اور تعمیر کا باعث ایسے قوانین ہیں جو اس کے جسم کے اندر کام کرتے ہیں۔ اس کے نزدیک یہ تغیرات ایک اندرونی جبر سے پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں، فائدہ یا نفع بخشی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا کہنا ہے کہ ارتقا کا سارا راز قدرت کا وہ مقصد ہے، جو حیوان کے جسم کے اندر اس کے ارتقائی رجحانات کے طور پر مخفی کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے وہ طویل عرصہ تک تبدیلی کے لئے انتظار نہیں کرتا، جیسا کہ ڈارون کا کہنا ہے، بلکہ حیوانی جسم خودبخود اپنے اندر سے اپنی ممکنات کو باہر لا کر ارتقائی سیڑھیاں چڑھتا جاتا ہے۔

قدیم سائنسدانوں میں سے بوائیل (Boyle 1617-1691) کا کہنا ہے کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ "جب متحرک مادہ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس سے انسانوں اور حیوانوں

کے مکمل اجسام جیسی حیرت انگیز موجودات یا اس سے بھی زیادہ محیرالعقول وہ اجزائے مادہ جو زندہ حیوانات کے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں' خودبخود وجود میں آ جائیں گے۔" چنانچہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے وہ قدرت کے اندر ایک تعمیر کنندہ روح یا قوت شعور کا ہونا ضروری قرار دیتا ہے۔ اس کی تائید انیسویں صدی کے سائنسدان لارڈ کیلون (Kelvin 1824-1907) کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قدرت' شعور کے اوصاف سے بے بہرہ نہیں اور یہ کہ کائنات کے اندر ایک تخلیقی اور رہنما قوت بھی کارفرما ہے۔

ڈارون اور دوسرے ماہرین ارتقا کے نزدیک' جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے' کیچڑ سے جو جاندار پیدا ہوا' ارتقا کا سفر کرتے کرتے انسان بن گیا۔ اس کے بعض شواہد بن مانس یا جاوا مین کے نمودار ہونے کے بعد اگرچہ ناپید ہیں' لیکن ان کے نزدیک دونوں کے درمیان کی کڑیاں ابھی گمشدہ ہیں' تحقیق سے وہ بھی دریافت کر لی جائیں گی۔ اس طرح وہ اپنے اس دعویٰ کے حق میں شواہد پیش نہیں کر سکے کہ انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔ ان کے اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو متعدد ایسے سوالات سامنے آتے ہیں' جن کا جواب یہ نظریہ مہیا نہیں کرتا۔

اولاً' یہ سائنس دان جان اور روح میں امتیاز نہ کر سکے۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ انسان کے اندر جان کے علاوہ روح بھی موجود ہے جو فنا نہیں ہوتی' بلکہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ وہ خیر و شر کا شعور اور اختیار و ارادہ کی آزادی بھی رکھتی ہے۔ حیوانات اپنی جبلت کے تحت اپنی جسمانی ضروریات پوری کرتے اور طبعی قوانین کے تابع ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں وہ کسی اخلاقی ضابطہ کے پابند نہیں ہوتے' لیکن انسان اپنی حیوانی ضروریات پوری کرنے کے لئے اخلاقیات کا پابند ہے' جس کا شعور اس کی روح کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے۔ جانوروں کو جس ڈگر پر ہانک دیا گیا ہے وہ اسی پر چل رہے ہیں جبکہ انسان اختیار و ارادہ کی آزادی کی نعمت رکھتا ہے۔ وہ اس آزادی سے فائدہ اٹھا کر انسانیت کی بھلائی کے عظیم الشان کارنامے بھی انجام دے سکتا اور اس کی ہلاکت خیزی کے سامان بھی پیدا کر سکتا ہے۔

ثانیاً' وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ مختلف انواع میں نر و مادہ کا ارتقا کیسے اور کیوں ہوا۔ ان کے اندر ایک دوسرے کے لئے طبعی میلان کیونکر پیدا ہوا' جس سے ان کی نسل کی افزائش ہوئی' اور اس کا مقصد کیا ہے؟ نظریہ ارتقا اس معاملہ میں یا تو خاموش ہے یا پھر سائنسدان یہ کہہ کر اس سوال سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ ایسا اتفاق سے ہوا۔ انسانوں کے معاملہ میں تو یہ سوال اور بھی زیادہ شدت سے پیدا ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کا ساتھ ساتھ ارتقا کیسے ہوا؟ ان دونوں میں اتنی سازگاری کیسے پیدا ہوئی کہ ایک کے بغیر دوسرا نامکمل ہے۔ مرد کی شخصیت میں جو خلا ہے وہ عورت کے ملنے سے پورا ہوتا ہے' اور عورت کی شخصیت کا خلا مرد کے بغیر پورا نہیں ہوتا اور یہ دونوں مل کر کائنات کا ایک عظیم

مقصد پورا کرتے ہیں۔ عورت اور مرد میں تضاد ہے' اس تضاد کے اندر موافق اور سازگاری کیسے پیدا ہو گئی' کیا یہ محض اتفاق ہے یا اس کے پیچھے کوئی ذہن (Mind) کام کر رہا ہے اور کوئی ارادہ بھی کارفرما ہے اور اس کا کوئی مقصد بھی ہے؟ عورت اور مرد کے اندر سازگاری کے جو ظاہری اور باطنی حرکات و اسباب بنے ہیں' وہ زبان حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ دونوں کا خالق ایک حکیم و مدبر ذات ہے' جس نے ایک مشترک مقصد کے لئے ان کو وجود بخشا ہے کیونکہ ایسا ازخود نہیں ہو سکتا' نہ ہی یہ تمام کرشمے کسی اندھی بہری قوت محرکہ کے ہو سکتے ہیں۔

ثالثاً' انسان کی قوت گویائی اور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت کے متعلق بھی ماہرین حیاتیات کچھ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ کیسے پیدا ہوئی۔ حیوانوں کے اندر جس نوعیت کی بولنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے' انسان کی قوت گویائی اس سے بڑی مختلف ہے۔ انسان اپنی اس قوت کی مدد سے مشکل سے مشکل مسئلہ کو دلائل کے ذریعے سے معمولی سے معمولی جزئیات تک دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔ مزید براں انسان میں تحریر کی صلاحیت بھی موجود ہے' جس کے ذریعہ سے اس نے اپنے مشاہدات و تجربات اور غور و فکر کے نتائج کو لکھ کر محفوظ کر لیا۔ یہ مواد اتنا زیادہ ہے کہ اس سے لائبریریاں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے برعکس جانوروں میں یہ صلاحیت بالکل مفقود ہے' اس کا ادنیٰ شائبہ بھی ان میں پایا نہیں جاتا۔ اس کی کوئی توجیہہ نظریہ ارتقا میں نہیں ملتی۔

رابعاً' نظریہ ارتقا اس حقیقت کو واضح نہیں کرتا کہ حیوانات کے مختلف اعضا کی نشوونما اور ان کا ارتقا کیا راتوں رات ہوا ہے یا آنکھ' ناک' کان اور دوسرے اعضا ارتقا کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے اپنی تکمیل تک پہنچے' جس میں لاکھوں سال صرف ہو گئے۔ اگر دوسرا بیان درست مانا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لاکھوں سالوں میں یہ اعضا بے مقصد کیوں حیوانی جسم سے منسلک رہے۔ خاص طور پر آنکھ کے ارتقا کا کیا جواز پیش کیا جا سکتا ہے۔ آنکھ ایک مکمل عضو ہے جو متعدد اجزاء اور نسوں پر مشتمل ہے۔ اس کا کوئی جزو بھی نامکمل ہو تو نظر آنا دشوار ہو جاتا ہے۔ نظریہ ارتقاء کے مطابق جس چیز کی افادیت نہ ہو وہ باقی نہیں رہتی اور مٹ جاتی ہے۔ لیکن آنکھ کے مختلف اجزاء لاکھوں سال تک ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اپنی تکمیل کو پہنچے تو بصارت کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ کیا لاکھوں سال تک یہ اجزاء بے مقصد اور بے معنی طور پر ہی حیوانی جسم کے ساتھ جڑے رہے اور ارتقا کے مراحل طے کرتے رہے؟ اس کا جواب بھی یہی دیا جاتا ہے کہ ایسا ازخود ہوا' لیکن ظاہر ہے کہ یہ جواب کسی طرح معقول قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خامساً' علمائے ارتقا کے مطابق اگر انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان تسلیم کر لیا جائے تو پھر مختلف انسانوں کی قوتوں اور صلاحیتوں کے درمیان جو بے پناہ فرق پایا جاتا ہے' اس کی کیا توجیہہ کی جا سکتی ہے۔

سرسری انداز سے بھی دیکھا جائے تو یہ نظر آ جاتا ہے کہ ایک طرف اگر اعلیٰ دماغ کے سائنسدان' انجینئر' دانشور' سیاستدان' فلسفہ اور مختلف علوم کے ماہرین موجود ہیں تو دوسری طرف معمولی صلاحیتیں رکھنے والے مزدور' معمار' رنگ ساز' دکاندار' مستری اور اسی قسم کے دوسرے انسان بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ہر صلاحیت کے انسانوں کی دنیا میں ضرورت ہے' اس کے بغیر کاروبار حیات نہیں چل سکتا۔ حیوانوں کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی نوع کے حیوانوں کی صلاحیتوں اور قوتوں میں فرق ہے' لیکن یہ فرق بڑا معمولی ہوتا ہے۔ مزید برآں انسان عقل و ادراک کی صلاحیت رکھتا ہے' جو جزئیات سے کلیات اور کلیات سے جزئیات تک پہنچ جاتا ہے' اس کے پاس ایسی دیدہ بینا ہے جس کو قطرہ میں دجلہ اور جزو میں کل نظر آ جاتا ہے' لیکن کسی بھی حیوان میں یہ صلاحیت موجود نہیں۔ خود نظریہ ارتقا ثابت کرتا ہے کہ سائنسدانوں نے اپنی عقل و خرد اور دیدہ بینا کے ذریعہ سے ہی ارتقا کا راز دریافت کیا اور اس کے شواہد جمع کئے۔

سائنسدان ارتقا کا مقصد بتانے سے بھی قاصر ہیں۔ ان کی تقریر کی روشنی میں تو ہماری وسیع و عریض سرزمین ایک بہت بڑا چڑیا گھر بن جاتی ہے جس میں حشرات الارض سے لے کر انسان تک موجود ہیں۔ کائنات اور زمین کی دوسری تمام چیزوں دشت و جبل' سمندروں' ہواؤں' فصلوں' درختوں حتیٰ کہ گھاس تک کا مقصد اور ان میں ایک قرینہ اور ڈسپلن نظر آتا ہے لیکن سائنسدانوں کو مجموعی طور پر اس چڑیا گھر میں کسی اعلیٰ نظم کا فقدان نظر آتا ہے۔ علمائے ارتقا اس سوال کا جواب بھی نہیں دیتے کہ زندگی کا ارتقا ایک مرحلہ پر آ کر کیوں رک گیا حالانکہ نظریہ ارتقا کے مطابق اس کو جاری رہنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ارتقا کے پیچھے ایک حکیم' مدبر اور خبیر و قدیر کا ارادہ کام کر رہا تھا۔ اس نے اس کو ایک مرحلہ پر پہنچا کر روک دیا۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب' فلسفہ کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں' کے خدا کی ذات و صفات کے باب میں نظریہ ارتقا پر بھی مختصر طور پر اظہار خیال کرتے ہوئے' بعض سوالات اٹھائے ہیں: "اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ارتقا ہوا ہے۔ زندگی' پانی' گندے کیچڑ' خشک مٹی اور کہاں' کہاں سے ہوتی ہوئی موجودہ حالت کو پہنچی ہے۔ ایک مٹی کے لوندے سے اتنی شکلیں بن گئیں۔ زندگی جو بھی رینگنے والے جانوروں کی شکلوں میں چھپی ہوئی تھی' اس سے درجہ بدرجہ ترقی کر کے انسان کے احسن تقویم میں بے نقاب ہوئی۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ڈارون نے اور زیادہ سنجیدگی سے خدا کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس کائنات کو اتنا بے رنگ نہ سمجھو۔ یہ ایک عظیم قدرت کا کرشمہ ہو سکتا ہے کہ وہ مٹی سے گوناگوں اشکال اور ایک عاقل و فرزانہ انسان بھی پیدا کر دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ارتقا کا تقاضا تو یہ تھا کہ ارتقا ہوتا ہی رہتا' آخر ارتقا ایک حد پر آ کر کیوں رک گیا ہے۔ ظاہر

ہے اس کی ایک ہی توجیہ ممکن ہے کہ ایک مدبر ذات نے اس کو ایک حد پر روک دیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ مرد اور عورت کا بھی ارتقا ہوا' لیکن ان دونوں میں اتنی سازگاری کس طرح پیدا ہوئی کہ ایک کے بغیر دوسرا نامکمل ہے اور دونوں مل کر کائنات کے عظیم مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک حکیم' قدیر اور مدبر ذات ہی ہو سکتی ہے' جس نے یہ سب کچھ کیا۔ یہ تمام کرشمے کسی اندھی بہری قوت محرکہ کے نہیں ہو سکتے۔"

مولانا اصلاحی نے ایک انٹرویو میں ڈارون کی توجیہ کو ناقص قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"کائنات ارتقا ہی کے ذریعہ سے وجود پذیر ہوئی۔ ارتقا بجائے خود صحیح ہے لیکن ڈارون کی توجیہ غلط ہے۔ انسان پہلے کیچڑ ہی میں تھا۔ ایک خاص فارم سے اس نے ترقی کی۔ ارتقا ہوتے ہوتے وہ اس فارم میں آیا کہ وہ انسان بن سکے۔ اللہ نے ارادہ کیا کہ اس چیز کے فارم سے آدم وجود میں آئے اور ان کا جوڑا پیدا ہو۔ سائنس والے مانتے ہیں کہ حقیقت میں ایک ہی چیز تھی جس میں نر اور مادہ دونوں کے جراثیم موجود تھے۔ لیکن یہ سب ایک مدبر' حکیم اور خبیر ہی نے کیا۔ آخر اسکی کیا توجیہ ہے کہ کیونکر ایک چیز بنتی چلی گئی۔ آپ سے آپ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک درخت کی شاخ بھی ایک خاص اسکیم کے تحت ظاہر ہوتی ہے۔ ڈارون کی تقریر پر ہمیں اعتراض ہے۔ اس میں جگہ جگہ معقولیت نہیں ہے۔ تاہم جب ارتقائے آدم ہو گیا اور جب آدم وجود میں آ گئے تو نسل انسانی وجود پذیر ہو گئی۔ اب وہ پہلا دور ختم ہو گیا۔ ایک فٹسٹ (Fittest) جب وجود میں آ جائے تو کوئی دوسری چیز اس میں مداخلت نہیں کرتی۔ (Survival of the Fittest) (بقائے اصلح) کا یہی مطلب ہے کہ جب ایک Fittest وجود میں آ جائے تو اپنے راستہ پر چلے گا۔ ہم ارتقا کے اصول بقائے اصلح کے قائل ہیں۔ یہ اصول ہے لیکن ڈارون کی توجیہ نہایت احمقانہ ہے۔ وہ ایک مصنف ہے' ایک تقریر کرنے والا ہے۔ اسے زیادہ اہمیت نہ دی جائے۔" (باقی آئندہ)

مکاتیب اصلاحیؒ

رحمان پورہ لاہور

مکرمی و محبی زاد لطفہ

علیکم السلام ورحمتہ اللہ۔ عنایت نامہ ملا۔ مفردات القرآن چونکہ لغت کی کتاب ہے' جس کا اصلی فائدہ عربی دانوں ہی کو پہنچ سکتا ہے' اس وجہ سے اس کے ترجمہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ ویسے مجھے فرصت ہوتی تو میں شائد کر دیتا' لیکن اب میں کلیتہ تفسیر تدبر قرآن کے لئے وقف ہو گیا ہوں۔ اس وجہ سے کسی اور کام کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ کسی اور کے سپرد اس وجہ سے یہ کام نہیں کرتا کہ اس میں اشعار بہت ہیں' جن کا ترجمہ زبان کا کوئی ماہر ہی کر سکتا ہے۔ تاہم میں اس کا خیال رکھوں گا۔ شائد کوئی شکل اس کے ترجمے کی پیدا ہو جائے۔ میں آپ کی اس قدر دانی اور حوصلہ افزائی کے لئے دل سے شکر گزار ہوں۔

خوشی محمد کلر کلاں

امین احسن اصلاحی

21 جولائی 67ء

رحمان آباد

مکرمی و محبی زاد لطفہ'

السلام علیکم ورحمتہ اللہ! عنایت نامہ موصول ہوا۔ آپ کی محبت و اخلاص کا دل سے شکر گزار ہوں۔ میں بعض دوستوں کے اصرار سے لاہور' اسلام آباد' تربیلا اور ایبٹ آباد چلا گیا تھا اور اس سفر میں پورا مہینہ صرف ہو گیا۔ والا نامہ میری غیر حاضری میں موصول ہوا' اس وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔

آپ نے جس چیز کی طرف توجہ دلائی ہے' ایسی چیزیں بے شمار ہیں۔ اگر میں ان سے تعرض کروں گا تو میری ساری قوت کار انہی کی نذر ہو جائے گی۔ اس وجہ سے بہتر یہی ہے کہ میں اپنے طریقہ پر جو خدمت کر رہا ہوں' سارا وقت اس پر صرف کروں۔ اگر فکر کی صحیح راہ کھل گئی تو امید ہے کہ اس طرح کی کج رویوں کی اصلاح آپ سے آپ ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ بے علم لوگوں کے لئے قرآن پر دست درازی کی راہ مسدود ہو جائے۔

آپ سے ملاقات کی آرزو میرے دل میں بھی ہے۔ لیکن اب مجھ تک پہنچنا ایک ہفت خواں طے کرنے کے مترادف ہے۔ تاہم محبت کی کشش میں بڑی طاقت ہے۔ امید ہے ملاقات ہوگی۔ دعاؤں میں برابر یاد رکھیے۔ میں بھی اپنے مخلصین کے لیے برابر دعا کرتا رہتا ہوں۔۔۔۔۔

خوشی محمد کلر کلاں

دعا گو

امین احسن اصلاحی

10 مئی 74ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ

عنایت نامہ موصول ہوا۔ خیریت معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ الحمدللہ میں بھی اچھا ہوں۔ روزے بھی پورے رکھے اور تفسیر کا کام بھی پابندی سے جاری رہا۔ اس وقت سورہ احزاب کی تفسیر زیر قلم ہے۔ گویا بائیس پارے اب ہو رہے ہیں۔ اس سورہ میں مشکلات بہت تھیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو آسان کیا۔ خدا نے چاہا تو اگلے رمضان تک تدبر قرآن مکمل ہو جائے گی۔

جمعیت طلبہ ہے تو جماعت اسلامی ہی کی ساختہ پرداختہ لیکن اگر وہ طالب اعانت ہوں تو بشرط گنجائش ان کی تھوڑی بہت مدد کر دینے میں کیا قباحت ہے! بس ان کو آگاہ کر دیجئے کہ ان کے کام لاطائل اور بے سود ہیں۔ میں تو بسا اوقات اپنی قربانی کی کھال جماعت اسلامی کو دے دیتا ہوں' حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ میں ان کے نظریات کا سخت مخالف ہوں اور میں اس کا برملا اظہار بھی کرتا ہوں۔ اصل میں ان لوگوں کی گمراہیاں دین سے بے خبری کا نتیجہ ہیں۔ جماعت کے بیشتر وابستگان دین سے ناواقف ہیں اور ساتھ ہی دین سے ایک روایتی وابستگی رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض دین باز کھلاڑیوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔ ان لوگوں کو ہمدردی کے ساتھ سمجھاتے رہیے۔ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

خوشی محمد کلر کلاں

دعا گو: امین احسن اصلاحی

27 رمضان المبارک 94ھ

لاہور

برادر گرامی زاد لطفہ'

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ شہد خالص کا مخلصانہ تحفہ موصول ہوا۔ شکریہ اور رسید لکھنے سے اس وجہ سے قاصر رہا کہ معلوم ہوا تھا کہ 14' 15 جنوری تک آپ لاہور آنے والے ہیں۔ انتظار کے بعد یہ کارڈ لکھ رہا ہوں۔ آنا ہو تو شرف ملاقات ضرور بخشیے گا۔ خالد صاحب سے مکان کا پتہ معلوم ہو جائے گا۔

خوشی محمد کلر کلاں

والسلام

امین احسن اصلاحی

15 جنوری 1980ء

لاہور

مکرمی زاد لطفہ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ! عنایت نامہ موصول ہوا۔ اس یاد فرمائی کے لئے دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ محض آپ کا حسن ظن کریمانہ ہے کہ آپ اس ناچیز کو یاد رکھتے ہیں۔ میرے لئے آپ کی دعا کافی ہے۔ اس کے سوا کسی اور اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔

میری آنکھ میں جو تکلیف ہو گئی تھی' اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب وہ دور ہو گئی ہے۔ کچھ اثر مابعد ہے۔ وہ بھی آپ جیسے مخلصین کی دعا سے ان شاء اللہ دور ہو جائے گا۔ ادھر تشریف لانا ہو تو امید ہے کہ اس مشتاق ملاقات کو بھی عزت بخشیں گے۔

خوشی محمد کلر کلاں

دعاگو

امین احسن اصلاحی

12 فروری 1984ء

رحمان آباد

مولانا المکرم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ! عنایت نامہ ملا۔ دلی مسرت ہوئی کہ آپ ان لوگوں کے اندر پہنچ گئے جو آپ سے محبت کرتے اور جن سے آپ محبت کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ میرا قیاس ہے کہ یہ آپ کو ان گردشوں کا صلہ ملا ہے جن سے ادھر آپ کو پچھلے دنوں مسلسل دو چار ہونا پڑا۔ آپ کی پریشانی میرے لئے بھی وجہ پریشانی تھی۔ آپ کے مسرت نامہ سے یہ پریشانی دور ہوئی۔ اس مانوس ماحول میں اللہ تعالیٰ آپ کو سکون خاطر میسر فرمائے کہ آپ دل جمعی کے ساتھ دین کی خدمت کر سکیں۔

الحمدللہ میں بھی اچھا ہوں اور اپنے کاموں میں مصروف۔ اب احزاب سے فارغ ہو کر سورہ سبا پر کام کر رہا ہوں۔ بس یہ آرزو ہے کہ جب تک زندہ رہوں اس خدمت کی سعادت حاصل رہے۔ میں اپنے ماحول سے اگرچہ نا آشنا ہوں لیکن اپنے ساتھ مشغول رہنے کا عادی ہوں' اس وجہ سے یہ نا آشنائی کلفت کے بجائے راحت کا باعث ہے۔

سلطان احمد صاحب کے خطوط کا معاملہ میرے لئے بھی معمہ بنا ہوا ہے' لیکن عاشقی میں یوں بھی ہوتا ہے' اس وجہ سے راضی ہوں۔ اہلیہ کی طرف سے سلام مسنون قبول فرمائیے۔

مولانا نذیر الحق میرٹھی

والسلام

امین احسن اصلاحی

15 دسمبر 1984ء

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے پیسے
1۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	328 - 00
2۔ حکمت قرآن	84 - 00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ

1۔ تدبر قرآن کامل۔ (9 جلد)	2,952 - 00
: (فی جلد)	328 - 00
2۔ مبادی تدبر قرآن	105 - 00
3۔ مبادی تدبر حدیث	90 - 00
4۔ حقیقت شرک و توحید	144 - 00
5۔ حقیقت نماز	54 - 00
6۔ حقیقت تقویٰ	54 - 00
7۔ تزکیہ نفس : جلد دوم	105 - 00
8۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	105 - 00
9۔ اسلامی قانون کی تدوین	78 - 00
10۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	78 - 00
11۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	105 - 00
12۔ قرآن میں پردے کے احکام	12 - 00
13۔ فلسفے کے بنیادی مسائل۔ قرآن حکیم کی روشنی میں	120 - 00
14۔ تفہیم دین	90 - 00
15۔ مقالات اصلاحی : جلد اول	165 - 00

فاران فاؤنڈیشن

122 ۔ فیروز پور روڈ' اچھرہ' لاہور۔ 54600۔ پاکستان

فون ۔ 7595200